حضرت عمرؓو بن العاص : جیسا آپ کا منشا تھا۔
حضرت عثمانؓ : وہ کیا ؟
حضرت عمرؓو بن العاص : اپنی ذات کے لیے طاقتور اور خدا کے لیے کمزور
حضرت عثمانؓ : میں نے تو اس کو تمہارا طرزِ عمل اپنانے کی ہدایت کی تھی۔
حضرت عمرؓو بن العاص : آپ نے اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا۔
حضرت عثمانؓ : دیکھو گائے (یا اونٹنی) نے زیادہ دودھ دیا (یعنی عبداللہ بن سعد نے زیادہ خراج بھیجا)
حضرت عمرؓو بن العاص : لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔

حضرت عمرؓو بن العاص کی مصر سے واپسی کے بعد اہلِ اسکندریہ نے قیصرِ روم کی شہ پاکر بغاوت کر دی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓو بن العاص کو یہ بغاوت فرد کرنے پر مامور فرمایا کیونکہ وہاں کے حالات کا ان سے زیادہ کوئی واقف نہ تھا۔ حضرت عمرؓو بن العاص نے مصر پہنچ کر قیصر کے لشکر کو جو اہلِ اسکندریہ کی مدد کے لیے آیا تھا، شکست دی لیکن اس کا ایک حصہ اسکندریہ پر قابض ہو گیا۔ حضرت عمرؓو بن العاص نے اسکندریہ میں داخل ہو کر اس کو نکال باہر کیا۔ چونکہ مقوقس اور اس کی قوم (قبطی) نے رومیوں کا ساتھ نہیں دیا تھا اس لیے رومیوں نے پسپا ہوتے ہوئے ان کی آبادیوں کو لوٹ لیا۔ جب باغی مصریوں اور حملہ آور رومیوں کا قلع قمع ہو گیا تو قبطیوں نے حضرت عمرؓو بن العاص کے پاس فریاد کی کہ بغاوت میں شریک نہ ہونے کی بنا پر رومیوں اور ان کے حامیوں نے ہمارا مال واسباب لوٹ لیا یہ ہمیں واپس دلایا جائے۔ حضرت عمرؓو بن العاص نے شناخت کرا کے جن جن لوگوں کا مال تھا واپس کرا دیا۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ آئندہ بغاوت کے خطرہ سے بچنے کے لیے حضرت عمرؓو بن العاص نے اسکندریہ کی فصیل منہدم کرا دی۔ بغاوت فرو ہو جانے کے بعد امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے ان کو مصر کا امیر جنگ (یا امیر عسکر) مقرر کرنا چاہا لیکن انہوں نے یہ عہدہ قبول کرنے سے معذرت کر دی۔
طبری اور کچھ دوسرے مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓو بن العاص کی معزولی

کا واقعہ اسکندریہ کی بغاوت فرو ہو جانے کے بعد ۲۶ھ میں پیش آیا لیکن امام سیوطیؒ الکندیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص اسکندریہ کی بغاوت سے پہلے ۲۵ھ میں معزول ہو چکے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے انہیں بغاوت فرو کرنے کے لیے بطورِ خاص دوبارہ مدینہ سے مصر بھیجا۔ بغاوت کے خاتمہ کے بعد جب انہیں امارتِ جنگ کا عہدہ پیش کیا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ

"مجھ کو یہ پسند نہیں ہے کہ گائے کے سینگ میں پکڑوں اور دودھ کوئی دوسرا دوہے۔"

یعنی عبداللہ بن سعد تو مصر کے والی ہوں اور میں دشمن کا مقابلہ کروں۔

حضرت عمروؓ بن العاص کو اپنی معزولی ناگوار تو گزری لیکن انہوں نے اس کو اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور ہمیشہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی خیر خواہی کا دم بھرتے رہے امیر المومنینؓ کے خلاف شورش کا آغاز ہوا اور مصر سے باغیوں کا گروہ چلا تو حضرت عثمانؓ کی خواہش پر حضرت عمروؓ بن العاص ان کے پاس تشریف لے گئے اور سمجھا بجھا کر واپس کیا۔ پھر شہر کے لوگوں کو جمع کر کے امیر المومنینؓ کی طرف سے صفائی پیش کی۔

سیدنا حضرت عثمانؓ کے خلاف سازشیں زور پکڑ گئیں تو انہوں نے ایک مجلسِ مشاورت منعقد کی جس میں حضرت عمروؓ بن العاص کو بھی شریک کیا۔ جب دوسرے لوگ رائے دے چکے تو امیر المومنینؓ نے حضرت عمروؓ سے بطورِ خاص ان کی رائے پوچھی انہوں نے عرض کیا:

"امیر المومنین ان سازشوں اور فتنہ و فساد کا بنیادی سبب یہ ہے کہ آپ ضرورت سے زیادہ نرمی کرتے ہیں اور سختی کے موقعوں پر چشم پوشی کر جاتے ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ ملکی معاملات میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی پیروی کیجیے اور سختی کے موقع پر سختی اور نرمی کے موقع پر نرمی سے کام لیجیے۔"

معزولی کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص عام طور پر فلسطین میں رہتے تھے لیکن گاہے گاہے

مدینہ آتے رہتے تھے۔ جس زمانے میں باغیوں نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کیا وہ مدینہ میں موجود تھے لیکن حالات کے سامنے بے بس تھے اور امیر المومنینؓ کی کوئی مؤثر مدد نہ کر سکتے تھے۔ اپنی بے بسی کا اس شدت سے احساس تھا کہ یہ کہہ کر مدینہ سے شام چلے گئے کہ:

"جو شخص عثمانؓ کے قتل میں حصہ لے گا اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص ان کی مدد کرنے سے قاصر ہو اس کو مدینہ چھوڑ دینا چاہیئے۔"

شام جانے کے بعد بھی ان کو حضرت عثمانؓ کی سلامتی کا اس قدر خیال تھا کہ ہر آنے جانے والے سے ان کا حال پوچھتے تھے۔ ان کی شہادت کی خبر سنی تو سخت دکھ کا اظہار کیا۔

(۱۴)

حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں جو عزلت گزینی اختیار کی تھی وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مسند نشینِ خلافت ہونے کے بعد بھی ایک مدت تک جاری رکھی اور جنگِ جمل میں مطلق کوئی حصہ نہیں لیا۔

حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلاف نے شدت اختیار کی تو امیر معاویہؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو بلا بھیجا اور ان کے تعاون کے خواستگار ہوئے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنا دستِ تعاون ان کی طرف بڑھا دیا۔ یوں امیر معاویہؓ کو ایک عظیم سپہ سالار اور مدبر کی حمایت حاصل ہوگئی۔ وہ خود بھی بہت بڑے مدبر تھے لیکن حضرت عمروؓ بن العاص کے مشوروں سے ان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے میں بڑی مدد ملی۔ جنگِ صفین کا سلسلہ شروع ہوا تو امیر معاویہؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنایا۔ اثنائے جنگ میں حضرت عمارؓ بن یاسرؓ جو حضرت علیؓ کے پرجوش حامی تھے، شہید ہوئے تو دو شخص جھگڑتے ہوئے امیر معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں کا دعویٰ تھا کہ اس نے عمارؓ بن یاسرؓ کو شہید کیا ہے اس لیے وہی انعام کا حقدار ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص بھی اس موقعہ پر موجود تھے۔

ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ وہ حضرت عمارؓ کی شہادت کی خبر سن کر سخت دل گرفتہ

ہوئے اور فرمایا:

"خدا کی قسم یہ دونوں جہنم کے لیے جھگڑ رہے ہیں۔"

امیر معاویہؓ کو ان کی بات ناگوار گزری اور انہوں نے فرمایا:

"عمرو! تم ان لوگوں کے لیے ایسا کہتے ہو جو ہماری خاطر اپنی جانیں لڑا رہے ہیں۔"

حضرت عمروؓ بن العاص نے ایک آہ بھری اور کہا "کاش آج سے بیس برس پہلے مجھے موت آ گئی ہوتی۔"

امیر معاویہؓ نے فرمایا "عمار کے قتل کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو ان کو میدانِ کارزار میں لائے۔" اس طرح بات رفت گزشت ہو گئی۔

۱۰ صفر ۳۷ھ کو دونوں فوجوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ طبریؒ، ابن سعدؒ ابن اثیرؒ، ابن کثیرؒ اور ابن خلدون کا بیان ہے کہ شامی فوج کی حالت نازک ہو گئی تو اس نے حضرت عمروؓ بن العاص کے مشورہ کے مطابق اپنے نیزوں پر قرآن اٹھا کر یہ نعرہ لگایا: "هٰذَا حَكَمٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ"

(یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حَکَم ہے)

اس پر حضرت علیؓ کے لشکر نے جنگ سے ہاتھ روک لیا اور فریقین کے مابین تحکیم (ثالثی) پر اتفاق ہو گیا۔ امیر معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمروؓ بن العاص حَکَم مقرر ہوئے اور حضرت علیؓ کی جانب سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ۔

یہ دونوں بزرگ دومۃ الجندل میں ایک دوسرے سے ملے اور تخلیہ میں اس معاملہ پر دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ یہ گفتگو کیا تھی اور دونوں میں کیا طے پایا اس کو خدائے علیم و خبیر ہی جانتا ہے لیکن بہت سے اربابِ سِیَر نے اس گفتگو کو مکالمہ کی صورت میں اس طرح قلمبند کیا ہے گویا یہ ان کے سامنے ہوئی ہو۔ حالانکہ سبھی نے صراحت کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ گفتگو خلوت میں ہوئی جبکہ کوئی تیسرا شخص ان کے پاس موجود نہیں تھا۔

بہرحال جب دونوں بزرگ تخلیہ سے باہر آئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے

لوگوں کے سامنے یہ فیصلہ سنایا :

"میں اور میرے دوست (عمرو بن العاص) غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں خلافت سے الگ ہو جائیں اور لوگ باہمی مشورے سے جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں۔ لہٰذا میں علیؓ اور معاویہؓ کو معزول کرتا ہوں اب آپ لوگوں کو اختیار ہے جسے اہل سمجھیں اپنا خلیفہ بنائیں۔"

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے بعد حضرت عمرو بن العاص کھڑے ہوئے اور یہ فیصلہ سنایا:

"ابو موسیٰ نے جو کچھ کہا آپ لوگوں نے سن لیا۔ انہوں نے اپنے آدمی (حضرت علیؓ) کو معزول کر دیا ہے میں بھی ان کو معزول کرتا ہوں لیکن اپنے آدمی (حضرت معاویہؓ) کو قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ عثمانؓ بن عفان کے ولی، ان کے خون کے دعویدار اور ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔"

گویا دونوں ثالثوں کا فیصلہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھا۔ اس طرح تحکیم کا سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ نہ نکلا کہ جنگ ملتوی ہو گئی۔

حافظ ابنِ کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں حضرت عمرو بن العاص کے فیصلہ کی یہ توجیہ کی ہے :

"حضرت عمرو بن العاص نے اس حالت میں لوگوں کو بلا امام چھوڑنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ اس وقت لوگوں میں جو اختلاف برپا تھا اس کو دیکھتے ہوئے انہیں اندیشہ تھا کہ اُمت کو بلا امام چھوڑ دینا نہ ختم ہونے والے فساد کا پیش خیمہ ثابت ہو گا اس لیے انہوں نے بر بنائے مصلحت امیر معاویہؓ کو برقرار رکھا اور اجتہاد صحیح بھی ہوتا ہے اور غلط بھی۔"

۳۸ ہجری میں امیر معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاص کو چھ ہزار فوج دے

کر مصر کی تسخیر کے لیے روانہ کیا جہاں اس وقت حضرت علیؓ کی طرف سے محمد بن ابی بکرؓ گورنر تھے۔ عازم مصر ہونے سے پہلے حضرت عمروؓ بن العاص نے محمد بن ابی بکرؓ کو خط لکھا کہ "اہلِ مصر تمہارے مخالف ہیں اس لیے تم میرے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتے، میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم خود بخود ہی مصر چھوڑ دو۔ میں تمہارے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا۔"

حضرت عمروؓ بن العاص نے جو کچھ اس خط میں لکھا تھا وہ حقیقت پر مبنی تھا کیونکہ محمد بن ابی بکرؓ کے خلاف مصر میں سخت بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور حکومت کے مخالفین کی ایک مضبوط جماعت وہاں موجود تھی۔ جس میں مسلمہؓ بن مخلد اور معاویہ بن خدیج جیسے نامور لوگ شامل تھے۔ لیکن محمد بن ابی بکرؓ نے اس خط کا کوئی اثر قبول نہ کیا اور اسے حضرت علیؓ کے پاس بھیج دیا۔ وہاں سے مقابلہ کا حکم آیا۔ چنانچہ جب حضرت عمروؓ بن العاص مصر پہنچے تو محمد بن ابی بکرؓ کو مقابلہ کے لیے تیار پایا۔ فریقین میں خونریز لڑائی ہوئی۔ مصر کے مشہور بہادر کنانہ بن بشر نے حضرت عمروؓ کے لشکر کے خلاف حیرت انگیز شجاعت اور پامردی دکھائی۔ جدھر کا رُخ کرتے صفیں درہم برہم کر دیتے۔ بالآخر معاویہ بن خدیج ان کے مقابل ہوئے۔ بہت سے شامیوں نے بھی ان کا ساتھ دیا اور کنانہ کو گھیر کر قتل کر ڈالا۔ اس کے ساتھ ہی محمد بن ابی بکرؓ کی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ محمد روپوش ہو گئے لیکن شامیوں اور ان کے مصری حامیوں نے انہیں ڈھونڈ نکالا اور نہایت بے دردی سے قتل کر ڈالا۔ اس طرح مصر پر حضرت عمروؓ بن العاص کا قبضہ ہو گیا۔ امیر معاویہؓ نے انہیں چند شرائط پر مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ ان میں ایک شرط یہ تھی کہ وہ ہمیشہ امیر معاویہ کے وفادار رہیں گے۔

اُدھر نہروان میں حضرت علیؓ نے خارجیوں کو شکست دی تو انہوں نے طے کیا کہ حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص تینوں کو شہید کر دیا جائے تاکہ تمام جھگڑے ختم ہو جائیں۔ چنانچہ طے شدہ منصوبہ کے مطابق ابنِ ملجم نے حضرت علیؓ پر حملہ کیا اور وہ شہید ہو گئے۔ برک بن عبداللہ نے امیر معاویہؓ پر حملہ

کیا لیکن وار اوچھا پڑا اور وہ بچ گئے۔ عمرو بن بکر تمیمی حضرت عمروؓ بن العاص کو قتل کرنے گیا لیکن اتفاق سے ان کی طبیعت اس دن ناساز تھی اس لیے انہوں نے اپنی جگہ خارجہؓ بن حذافہ کو نماز پڑھانے کے لیے بھیج دیا۔ عمرو بن بکر نے حضرت عمروؓ بن العاص کے دھوکے میں خارجہؓ کو قتل کر دیا۔

(۱۴)

امیر معاویہؓ کی طرف سے مصر کا گورنر مقرر ہوتے وقت حضرت عمروؓ بن العاص کی عمر اسّی برس سے اوپر تھی لیکن وہ کئی سال تک اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ باختلاف روایت ۴۳ھ یا ۴۷ھ میں شدید بیمار ہوئے یہاں تک کہ جانبری کی امید نہ رہی۔ صحیح مسلم میں عبدالرحمٰن بن شماسہ مہریؒ سے روایت ہے کہ میں حضرت عمروؓ بن العاص کے مرض الموت میں ان کی عیادت کے لیے گیا وہ دیوار کی طرف منہ کرکے رونے لگے۔ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے کہا، اباجان آپ روتے کیوں ہیں کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں بشارتیں نہیں دی ہیں؟ حضرت عمروؓ بن العاص نے فرمایا:-

"میرے پاس سب سے قیمتی متاع لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی شہادت ہے۔ مجھ پر زندگی کے تین دور گزرے۔ ایک وہ دور تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عناد رکھتا تھا اور میری دلی تمنا تھی کہ آپؐ میرے ہاتھ آجائیں تو قتل کر دوں اگر اس حالت میں مجھے موت آجاتی تو یقیناً جہنم میں جاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو اسلام کی طرف پھیر دیا۔ میں اسلام قبول کرنے کی غرض سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی، یا رسول اللہ اپنا دست مبارک پھیلایئے کہ میں بیعت کر دوں۔ آپؐ نے ہاتھ پھیلایا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ آپؐ نے فرمایا، عمروؓ بن العاص یہ تمہیں کیا ہو گیا؟ میں نے عرض کی، ایک شرط پر

اسلام لاتا ہوں، آپؐ نے پوچھا، وہ شرط کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، میری مغفرت ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا، اے عمرو! کیا تم کو معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے، ہجرت بھی اپنے سے پہلے کے گناہوں کو کالعدم کر دیتی ہے۔ اس طرح حج بھی اپنے سے پہلے کے گناہوں کو فنا کر دیتا ہے۔ اس کے بعد میری یہ حالت ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر محبوب ہو گئے اور ان سے زیادہ میری نگاہ میں کوئی بزرگ نہ رہا۔ آپؐ کی انتہائی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے میں آپؐ کو نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا اگر کوئی مجھ سے آپؐ کا حلیہ پوچھے تو میں نہیں بتا سکتا کیونکہ میں نے کبھی آپؐ کو نظر بھر کے دیکھا ہی نہیں۔ اگر اس حالت میں مر جاتا تو جنّت کی امید تھی۔ پھر زندگی کا تیسرا دور آیا جس میں میں نے مختلف قسم کے اعمال کیے۔ اب میں نہیں جانتا کہ میرا کیا حشر ہو گا۔ جب میں مر جاؤں تو نوحہ کرنے والی عورتیں میرے جنازے کے ساتھ نہ جائیں، نہ جنازے کے پیچھے آگ جائے۔ دفن کرتے وقت مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا۔ تدفین کے بعد اتنی دیر تک قبر کے پاس رہنا جب تک جانور ذبح ہو کر اس کا گوشت تقسیم ہو جائے تاکہ میں تمہاری وجہ سے مانوس ہو جاؤں اور یہ غور کر لوں کہ اپنے خالق کے قاصدوں کو کیا جواب دوں۔"

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ موت سے پہلے اپنے محافظ دستے کو بلا بھیجا اور پوچھا، میں تمہارا کیسا ساتھی تھا؟ جواب ملا، آپ ہم پر بہت شفیق تھے، ہمارا احترام کرتے تھے۔ ہمارے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرتے تھے اور ہم کو دل کھول کر انعام واکرام سے نوازتے رہتے تھے۔

فرمایا، میں یہ سب سلوک اس لیے کرتا تھا کہ تم مجھ کو موت سے بچاؤ گے۔ اب موت میرے سامنے کھڑی ہے اسے یہاں سے دور کر دو، وہ حیرت زدہ ہو کر بولے،

اے ابا عبداللہ! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بھلا موت پر بھی کسی کا زور چل سکتا ہے؟ حضرت عمرؓو بن العاص نے فرمایا، میں جانتا ہوں کہ موت کے مقابلے میں تم میری کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ کاش میں نے اپنی حفاظت کے لیے تمھیں نہ رکھا ہوتا۔ افسوس علیؓ ابن ابی طالب سچ کہتے تھے کہ انسان کی موت خود اس کی محافظ ہے۔ پھر خشوع طاری ہوا اور زبان پر یہ الفاظ آ گئے، الٰہی میں بری نہیں ہوں کہ معذرت کروں، قوی نہیں ہوں کہ غالب آجاؤں، اگر تو نے اپنی رحمت سے نہ نوازا تو میرے لیے ہلاکت ہے۔

حضرت عمرؓو بن العاص زندگی میں اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کرتے تھے کہ بعض لوگ موت کے وقت پورے ہوش وحواس میں ہوتے ہیں لیکن وہ موت کی حقیقت نہیں بیان کر سکتے۔ نزع کے وقت ان کے فرزند نے کہا، ابا جان آپ کے ہوش وحواس پوری طرح قائم ہیں ذرا موت کی کیفیت تو بیان کیجیے۔ فرمایا، بیٹا اس کی کیفیت حد بیان سے باہر ہے بس مجھ کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جبل رضوی میری گردن پر ٹوٹا پڑتا ہے۔ میری آنتوں کو کھجور کے کانٹوں پر گھسیٹا جا رہا ہے اور میری جان سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہے۔ (طبقات ابن سعد)

اس کے بعد اپنے صاحبزادے کو وصیت کی کہ جب میرا دم نکل جائے تو پہلے معمولی پانی سے غسل دینا اور جسم کو کپڑے سے خشک کرنا، پھر تازہ اور صاف پانی سے نہلانا اور تیسری مرتبہ ایسے پانی سے جس میں کافور کی آمیزش ہو پھر کپڑے سے خشک کرنا، کفناتے وقت ازار کس کے باندھنا، جنازہ کو نہ تیز تیز لے جانا اور نہ آہستہ آہستہ لوگو کو جنازہ کے پیچھے پیچھے رکھنا اس کے آگے فرشتے چلتے ہیں اور پیچھے انسان۔ قبر میں رکھنے کے بعد مٹی آہستہ آہستہ دینا —— پھر دعا میں مصروف ہو گئے کہ الٰہ العالمین تو نے حکم دیا، میں نے عدول حکمی کی، تو نے ممانعت کی میں نے نافرمانی کی میں —— بری نہیں کہ معذرت کروں —— طاقتور نہیں کہ غالب آجاؤں ہاں لا الٰہ الا اللہ لا الٰہ الا اللہ یہی کہتے کہتے آخری ہچکی لی اور ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ یکم شوال ۴۳ھ کو عید الفطر کی نماز کے بعد ان کے

صاحبزادے نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اسلام کے اس رجلِ عظیم کو جبلِ مقطم کے دامن میں سپردِ خاک کر دیا۔

وفات کے وقت حضرت عمروؓ بن العاص کی عمر نوّے برس کے لگ بھگ تھی۔ انہوں نے اپنے پیچھے دو لڑکے چھوڑے، عبداللہؓ اور محمدؒ۔ حضرت عبداللہؓ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے والدِ گرامی سے بہت پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے تھے اور نہایت عابد و زاہد تھے۔

۱۵

حضرت عمروؓ بن العاص کی عمر کا زیادہ حصہ میدانِ جنگ میں گزرا، عہدِ رسالت کے غزوات میں شریک رہے، عمان کی امارت کے فرائض انجام دیئے پھر فتنۂ ارتداد کے استیصال میں بھرپور حصہ لیا۔ فلسطین اور شام کی لڑائیوں میں سرفروشانہ شریک ہوئے۔ مصر اور طرابلس فتح کیے۔ ان جنگوں سے وقت بچا تو مصر کی گورنری کے فرائض ادا کرتے رہے۔ ان مصروفیات کے باوجود انہوں نے دینی علوم سے بھی حصۂ وافر پایا۔ نبوّت کے سرچشمۂ علم و عرفان سے سیراب ہونے کا جتنا موقع بھی ملا اس کا انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ فطرتاً نہایت ذہین اور ذکی واقع ہوئے تھے اس لیے علم و فضل کے اعتبار سے خاص مقام حاصل کر لیا۔

حافظ ابنِ حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ ان کو قراۃِ قرآن سے خاص ذوق تھا اور قرآنِ پاک بہت صاف اور واضح پڑھتے تھے۔ حضورؐ کے ارشادات بڑے ذوق و شوق سے سنا کرتے تھے۔ ان سے ۳۹ احادیث مروی ہیں۔ ان میں تین متفق علیہ ہیں۔ ایک میں بخاری اور تین میں مسلم منفرد ہیں۔ ان کے رواۃِ حدیث، تلامذہ اور مستفیدین میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ (صاحبزادے) ابوقیس (غلام) عروہؒ بن زبیرؓ، ابوعثمان نہدیؒ، عبدالرحمٰن بن شماسہ مہریؒ، عمارہؒ بن خزیمہؓ، محمد بن کعب، علی بن رباحؒ اور قیس بن ابی حازمؒ کے اسماءِ گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت عمرؓ بن العاص نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا تھا اور جو کچھ آپؐ کو کرتے دیکھا تھا اس کو لوگوں تک بھی پہنچاتے رہتے تھے۔ ان کو اُسوۂ حسنہ پر چلنے اور بدعات واوہام سے مجتنب رہنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔

سریۂ ذات السلاسل میں کامیابی کے بعد کچھ عرصہ وہاں مقیم رہ کر نومسلموں کو تعلیم دیتے رہے۔ عمان میں دو برس تک یہی سلسلہ جاری رکھا۔ لوگوں میں دنیا طلبی کا رجحان بڑھتے دیکھا تو بہت رنج ہوا، لوگوں کے سامنے اکثر خطبہ دیتے اور ان کو اتباع سنت کی ہدایت کرتے۔ علی بن رباح لخمی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ان کو خطبہ میں یہ کہتے ہوئے سُنا۔

"لوگو! یہ تمہاری کیا حالت ہوگئی ہے کہ دنیا میں پھنس کر آخرت سے غافل ہوتے جارہے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن امور سے اجتناب فرماتے تھے تم لوگ ان کی طرف راغب ہو رہے ہو۔ حالانکہ تمہیں علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا طلبی سے کتنے کنارہ کش رہتے تھے۔"

امام جلال الدین سیوطیؒ نے "تاریخ الخلفاء" میں لکھا ہے کہ عہدِ فاروقی میں حضرت عمرؓ بن العاص مصر کے گورنر مقرر ہوئے تو ایک دن بہت سے مصری ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہماری زراعت کا انحصار دریائے نیل کے پانی پر ہے۔ جب دریائے نیل خشک ہو جاتا ہے تو جب تک ہم ایک رسم جو قدیم زمانے سے چلی آتی ہے ادا نہ کریں اس میں پانی نہیں چڑھتا۔

حضرت عمرؓ بن العاص نے پوچھا، وہ کیا رسم ہے؟

انہوں نے جواب دیا: "ہم چاند کی گیارہ تاریخ (بروایتِ دیگر ہر سال جون کی بارہ تاریخ) کو ایک کنواری لڑکی کا انتخاب کرتے ہیں اور اس کے والدین کی مرضی سے اس کو بیش قیمت زیورات اور کپڑے پہناتے ہیں ــــ پھر اس کو دریائے نیل کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ اس طرح دریا میں پانی چڑھ جاتا ہے۔ آج کل بھی دریا میں پانی بہت کم ہو گیا ہے اس لیے آپ ہمیں اپنی یہ قدیم رسم ادا کرنے کی اجازت دیں۔"

حضرت عمرؓو بن العاص نے فرمایا: "جو کچھ تم نے کہا، یہ محض توہم پرستی ہے۔ اسلام ایسے اوہام اور لغویات کو مٹانے کے لیے آیا ہے۔ میں تم کو کسی بے گناہ لڑکی پر ایسا ظلم کرنے کی اجازت ہرگز نہ دوں گا۔"

مصری مایوس ہو کر چلے گئے۔ اتفاق سے دریائے نیل میں پانی بالکل کم ہو گیا اور بہت سے لوگ قحط کے ڈر سے وطن چھوڑنے کی تیاری کرنے لگے۔

حضرت عمرؓو بن العاص نے اس صورتِ حال کی اطلاع امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کو دی تو انہوں نے لکھا:-

"الحمد للہ! تم نے مصریوں کو ٹھیک جواب دیا ہے۔ فی الحقیقت اسلام ایسی رسوم باطلہ کو مٹانے آیا ہے۔ میں اس خط کے ساتھ ایک رقعہ بھیج رہا ہوں اس کو دریائے نیل میں ڈال دو۔"

حضرت عمرؓو بن العاص کو یہ خط ملا تو انہوں نے رقعہ کو دریائے نیل میں ڈالنے سے پہلے اس کی عبارت پڑھی جو یوں تھی:-

"اللہ کے بندے عمر امیر المؤمنین کی طرف سے ــــــ دریائے نیل کو معلوم ہو کہ اگر تو اپنے اختیار سے بہہ رہا ہے تو رک جا اور اگر تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہہ رہا ہے تو میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے پہلے کی طرح (بفراوانی) رواں کر دے۔"

حضرت عمرؓو بن العاص اور ان کے ساتھی یہ رقعہ دریا میں ڈال کر واپس آ گئے۔ اگلی صبح کو جب اہلِ مصر نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے قدرتِ الٰہی کا عجیب کرشمہ دیکھا کہ دریائے نیل میں پانی سولہ ہاتھ اٹھ گیا تھا اور زمین سیراب ہو رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر بہت سے مصری حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور یہ ظالمانہ رسم ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔

حضرت عمرؓو بن العاص کو اللہ تعالیٰ نے ملکۂ اجتہاد سے بھی بہرہ ور کیا تھا۔ سریۂ ذات السلاسل میں ایک رات غسل کی ضرورت پیش آ گئی۔ اس وقت شدید سردی پڑ رہی تھی۔ سرد پانی سے نہانے میں بیمار ہو جانے کا ڈر تھا اور نہ نہانے میں نماز قضا

ہوتی تھی۔ حضرت عمروؓ عجیب کشمکش میں پڑ گئے۔ آخر عقل و اجتہاد سے کام لیا اور غسل کی حالت کو وضو پر قیاس کیا، اجتہاد سے کام لے کر تیمم کر لیا اور نماز پڑھ لی۔ واپس مدینہ منورہ گئے اور حضورؐ سے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا، عمرو بن العاص! تم نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھ لی؟ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ رات کو سخت سردی تھی مجھ کو اندیشہ ہوا کہ اگر اس حالت میں غسل کیا تو ہلاک ہو جاؤں گا۔ اگر نہیں کرتا تو نماز جاتی ہے۔ اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ مجھ کو قرآن کی یہ آیت یاد آگئی۔

لَا تَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا۔

چنانچہ میں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

(مُسندِ احمد)

طاعونِ عمواس کے زمانہ میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ مثلاً حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح اور حضرت معاذؓ بن جبل وبا کی جگہ سے باہر نکلنے کو تقدیرِ الٰہی کے خلاف سمجھتے تھے لیکن عمروؓ بن العاص کہتے تھے کہ جس خطرے سے انسان اپنی سعی سے بچ سکتا ہے اس سے بچنے کی سعی نہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت معاذؓ بن جبل کی وفات کے بعد انہوں نے امارت سنبھالتے ہی فوجوں کو وبا کے مقام سے ہٹا کر پہاڑوں پر پھیلا دیا۔ اس طرح وہ وبا میں مبتلا ہونے سے بچ گئیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بھی حضرت عمروؓ بن العاص کے اس عمل کو سراہا۔

حضرت عمروؓ بن العاص ادب، انشاء اور خطابت میں بھی بڑی دسترس رکھتے تھے۔ فصاحت و بلاغت، اختصار، جامعیت اور نادر تشبیہات ان کی تحریروں اور خطبوں کی خصوصیات تھیں۔ کتبِ سِیَر میں ان کے ذوقِ ادب اور زبان آوری کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

ایک دفعہ حضرت عمرِ فاروقؓ نے انہیں خط لکھا:

"اے عمرو میں تجھ سے جو چیز چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس خط کے پہنچنے کے ساتھ ہی تو مجھ کو مصر کی ایسی درست کیفیت

لکھ بھیج جس سے مجھے یہ معلوم ہو کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اس
ملک کو دیکھ لیا ہے۔"

حضرت عمرؓ بن العاص نے اس کے جواب میں لکھا:-

"اے امیر المؤمنین مصر کو یوں سمجھئے کہ ایک خشک ریگستان اور
ایک بہت شاداب خطہ دو ایسے پہاڑوں کے بیچ میں واقع ہیں،
جن میں ایک تو ریت کے ٹیلے کی شکل کا ہے اور دوسرا ایک دُبلے
گھوڑے کے پیٹ یا اونٹ کی پیٹھ کی صورت۔

یہ ہے مصر کی ظاہری صورت ۔۔ اس ملک کی ساری پیداوار اور
اس کی ساری دولت اسوان سے لے کر حدودِ غزہ تک ایک
دریا کی بدولت ہے جو نہایت شان وشوکت کے ساتھ اس میں سے
گزر رہا ہے۔ اس دریا کے مد وجزر کا زمانہ ویسا ہی مقرر ہے جیسا
آفتاب و ماہتاب کا دَور۔

ایک وقتِ مقررہ پر تمام عالم کے چشمے اس دریاؤں کے بادشاہ
کو خراج دیتے ہیں جو قدرت نے ان کے لیے مقرر کر دیا ہے۔ اس
وقت دریا کا پانی بڑھنے لگتا ہے اور دونوں کناروں پر پھیل جاتا
ہے اور شاداب کرنے والی چکنی مٹی زمین پر چھوڑ جاتا ہے۔

اس وقت مختلف قریوں میں بجز چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے
اور کوئی ذریعہ آمد ورفت کا نہیں رہتا۔ اور یہ کشتیاں اس کثرت سے
ہوتی ہیں جیسے کھجور کے پتّے۔

اس کے بعد جب وہ وقت آجاتا ہے کہ زمین کو شاداب کرنے
کے لیے پانی کی ضرورت نہیں رہتی تو پھر یہ نیک بخت دریا اپنی حدود
کے اندر عود کرتا ہے جو قدرت نے اس کے لیے ٹھہرائی ہیں
تاکہ وہ ذخیرے جو اس نے زمین کے اندر پوشیدہ کیے ہیں ہاتھ

آسکیں۔

ایک مخلوق جس پر خدا کی مہربانی ہے اور شہد کی مکھیوں کی طرح دوسروں کے لیے مشقت کرتی ہے اور اپنی محنت اور اپنے گاڑھے پسینے سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتی۔ اس زمین پر ہلکا سا ہل چلا کر اس میں بیج بو دیتی ہے اور اُس قادرِ مطلق سے سرسبزی کی اُمیدوار ہوتی ہے جو غلّہ کو نمو بخشتا اور پکاتا ہے۔ بیج جمتا ہے درخت بڑھتا ہے اور شبنم کی مدد سے جو مینہ کا کام دیتی ہے اور دریا کے لائے ہوئے کھاد کی پرورش کرتی ہے۔ خوشہ پیدا ہوتا ہے اور پختگی کو پہنچتا ہے۔

عمدہ سے عمدہ فصل کے بعد دفعتاً خشک سالی ہو جاتی ہے اور امیرالمؤمنین یہ مصر کی زمین کبھی تو خشک اور اوسر ریگستان اور سفید میدان ہے اور کبھی دلدل۔ جس پر سیاہ اور گہری کیچڑ جمی ہوئی ہے اور کبھی سبزہ زار جس میں انواع و اقسام کے پھول تلے اوپر کیاریوں میں نظر آ رہے ہیں اور کبھی ایک عظیم الشان کشت زار جس میں غلّہ پختگی کے قریب آ چلا ہے، حمد و ثنا ہمیشہ اس خالقِ مطلق کو جس نے یہ عجائبات پیدا کیے۔

مصر کی سرسبزی اور اس کے باشندوں کی خوش وقتی زیادہ تر تین چیزوں پر موقوف ہے۔ اولاً کوئی ایسی تجویز کی جائے جس سے لگان میں اضافہ ہو۔ ثانیاً مال گزاری کا ایک ثلث نہروں اور پلوں کی نگہداشت اور نئی تعمیر میں صرف کیا جائے۔ ثالثاً لگان ہمیشہ زمین کی پیداوار کی حیثیت پر قائم کیا جائے ——— والسّلام۔"

امیر معاویہؓ نے حضرت عمرِ فاروقؓ سے قبرص (CYPRUS) پر حملہ

کرنے کی اجازت مانگی تو امیر المومنینؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو خط لکھ کر سمندر کے حالات دریافت کیے۔ انہوں نے جواب میں لکھا :
"میں نے ایک بڑی مخلوق دیکھی جس پر چھوٹی مخلوق اس طرح سوار ہوتی ہے جیسے لکڑی پر کیڑا۔ اگر لکڑی ذرا بھی پلٹا کھائے تو کیڑا ڈوب جائے۔ اور اگر صحیح سلامت باہر آجائے تو دہشت زدہ ہو کر رہ جائے۔"

(۱۶)

حضرت عمروؓ بن العاص کے صحیفہ حیات میں حُبِ رسولؐ، شجاعت، شوقِ جہاد، انفاق فی سبیل اللہ، شرافت، نرم دلی اور تدبیر و سیاست سب سے نمایاں الواب ہیں۔
حُبِ رسولؐ کی یہ کیفیت تھی کہ ایک دفعہ مدینہ منورہ میں ایک افواہ پر شدید اضطراب اور ہیجان پیدا ہوگیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت چند صحابہ کے ہمراہ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے چونکہ حقیقتِ حال کا کسی کو علم نہیں تھا اس لیے عام بھاگڑ مچ گئی۔ اس نازک وقت میں صرف سالمؓ مولیٰ ابو حذیفہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص شمشیر بدست مسجد میں کھڑے رہے تاکہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آنچ نہ آنے دیں اور ضرورت پڑے تو آپؐ پر اپنی جانیں قربان کردیں۔ صورت حال ذرا پُرسکون ہوئی تو حضورؐ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا جس میں فرمایا، تم لوگ اللہ اور رسول کی پناہ میں کیوں نہ آئے اور عمرو بن العاص اور سالم کو کیوں نہ نمونہ بنایا۔ سراسیمگی میں تمہیں مستعد ہو کر اللہ کے رسول کے پاس جمع ہوجانا چاہیے تھا اور متحد ہو کر خطرے کا مقابلہ کرنا چاہیئے تھا۔
حضرت عمروؓ بن العاص خود کہا کرتے تھے کہ قبولِ اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مجھ کو دنیا میں کوئی چیز محبوب نہ تھی۔ حضورؐ بھی ان کی بڑی قدر فرماتے تھے اور ان پر بہت شفیق تھے۔ مُسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عمروؓ بن العاص سے کہا، کیا وہ شخص نیک سیرت نہیں ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے آخر دم تک محبوب رکھا ہو۔

انہوں نے فرمایا، ایسے شخص کی سعادت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

اس شخص نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک آپ سے محبت کرتے رہے۔"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد موقعوں پر حضرت عمروؓ بن العاص کی کھلے لفظوں میں تعریف فرمائی۔ ایک مرتبہ ان کے ایمان کی تعریف میں فرمایا، ہشامؓ اور عمروؓ سچے مؤمن ہیں۔ (مسند احمد)

ایک موقع پر ارشاد ہوا، عمرو بن العاص قریش کے صالح لوگوں میں سے ہیں۔ (الاصابہ)

ایک اور موقع پر فرمایا، "عبداللہ اور ابو عبداللہ (عمروؓ بن العاص) کیا اچھے گھرانے کے لوگ ہیں۔ (کنز العمال)

حضورؐ نے کئی مہموں میں ان کو بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ پر افسر بنا کر بھیجا۔ نہایت شجاع اور دلیر تھے۔ لڑائی میں اس وجہ سے پیچھے نہیں بیٹھتے تھے کہ فوج کے امیر ہیں بلکہ صفِ اوّل میں ہو کر دادِ شجاعت دیتے تھے۔

جہاد فی سبیل اللہ کا اس قدر شوق تھا کہ عہدِ رسالت میں بھی اور عہدِ رسالت کے بعد بھی دشمنانِ اسلام کے خلاف بے شمار لڑائیوں میں سر بکف ہو کر لڑے۔ شہادت کی آرزو ہر وقت دل میں مچلتی رہتی تھی اس لیے ہر جنگ میں درّانہ دشمن کی صفوں میں گھس جاتے تھے اور نہایت بے جگری سے لڑتے تھے۔ جنگِ اجنادین میں وہ اور ان کے بھائی ہشامؓ ساری رات شہادت کی دعا مانگتے رہے۔ دوسرے دن لڑائی میں حضرت ہشامؓ شہید ہو گئے لیکن وہ بچ گئے۔ شہادت سے محروم رہنے پر ہمیشہ حسرت کا اظہار کیا کرتے تھے کہ ہشام مجھ سے افضل تھا اسی لیے شرفِ شہادت کے لیے اس کی دعا قبول ہو گئی۔

حضرت عمروؓ بن العاص تموّل اور ثروت کے لحاظ سے عرب کے سربرآوردہ لوگوں

میں سے تھے لیکن جس قدر وہ امیر اور صاحب جائداد تھے اسی قدر دریا دل بھی تھے۔ اپنا مال بے دریغ راہِ خدا میں لٹاتے رہتے تھے۔ خود فرمایا کرتے تھے۔

"سب سے بڑا سخی وہ ہے جو دنیا کو دین کی بہتری میں صرف کرے۔"

خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ان کے جذبۂ انفاقِ فی سبیل اللہ کی بدیں الفاظ تین مرتبہ تعریف فرمائی :-

"الٰہی! عمرو بن العاص کی مغفرت فرما کہ میں نے جب بھی ان کو صدقہ کے لیے بلایا وہ فوراً صدقہ لائے۔" (کنز العمال)

امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں حضرت علقمہؓ بن رمثہ بلوی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمروؓ بن العاص کو کسی مہم پر بحرین بھیجا اور خود ایک دوسری مہم پر تشریف لے گئے۔ ہم لوگ بھی حضورؐ کے ہمرکاب تھے۔ اثنائے راہ میں آپ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ بیدار ہوئے تو فرمایا :-

"اللہ، عمرو پر رحم کرے۔"

یہ سن کر ہم میں سے ہر شخص "عمرو" نام کے اشخاص کا ذکر کرنے لگا۔ دوبارہ پھر آنکھ لگ گئی بیدار ہوئے تو پہلے الفاظ کا اعادہ فرمایا۔ تیسری مرتبہ پھر یہی صورت پیش آئی تو ہم میں تابِ ضبط نہ رہی اور ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ کا اشارہ کس عمرو کی طرف ہے۔ ارشاد ہوا، عمرو بن العاص کی طرف — ہم نے اس عنایت کا سبب دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا، مجھے وہ وقت یاد آگیا جب میں لوگوں سے صدقہ منگواتا تھا تو وہ کثیر صدقہ لاتے تھے، میں پوچھتا، کہاں سے لائے تو کہتے اللہ نے دیا۔

حضرت عمروؓ بن العاص طبعاً فیاض اور سخی تھے۔ غریبوں اور حاجت مندوں کو مٹھیاں بھر بھر کر دیتے تھے۔ غریب شرفا پر ان کی خاص نظرِ کرم تھی ان کو بلا طلب دیتے تھے اور دل کھول کر دیتے تھے۔

شرافت اور نرم دلی میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھے۔ جنگِ بلبیس میں مقوقس کی بیٹی گرفتار ہو کر ان کے سامنے پیش ہوئی تو اس کے ساتھ عزت و احترام سے پیش

آئے اور بحفاظت اس کے باپ کے پاس واپس بھیج دیا۔

بغاوتِ اسکندریہ میں ایک قبطی رئیس طلما گرفتار ہو کر ان کے سامنے پیش ہوا تو اس کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور متنبہ کر کے آزاد کر دیا کیونکہ قبطیوں نے عام طور پر بغاوت میں حصہ نہیں لیا تھا اور جو چند ایک شریک ہو گئے تھے ان کو رومیوں نے گمراہ کیا تھا۔

ان کی نرم دلی کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ عین شمس یا قصر شمع کی فتح کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے دربارِ خلافت سے اسکندریہ پر فوجیں بڑھانے کی اجازت طلب کی۔ وہاں سے منظوری آئی تو حضرت عمروؓ نے کوچ کا حکم دیا۔ اتفاق سے ایک کبوتر نے حضرت عمروؓ کے خیمہ میں گھونسلا بنا لیا تھا۔ خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو حضرت عمروؓ کی نگاہ گھونسلے پر پڑی۔ حکم دیا کہ اس کو یہیں رہنے دو کہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے۔ چونکہ عربی میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں اور حضرت عمروؓ بن العاص نے اسکندریہ سے واپس آکر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا اس لیے خود شہر بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے۔ (الفاروق)

حضرت عمروؓ بن العاص اپنے زمانۂ امارت میں اہلِ مصر (بالخصوص قبطیوں) سے نہایت مشفقانہ برتاؤ کرتے تھے یہی سبب تھا کہ یہ لوگ ان کے سچے خیرخواہ اور اطاعت گزار بن گئے تھے۔ بظاہر ان کا یہی نرم سلوک تھا جس کی بناء پر خراج کم وصول ہوتا تھا۔ اس معاملہ میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ دونوں نے ان سے جواب طلب کیا لیکن انہوں نے اپنی حکمتِ عملی تبدیل نہ کی۔ معزولی کے بعد ان کی حضرت عثمانؓ سے جو گفتگو ہوئی اس میں جب ان کو بتایا گیا کہ ان کے جانشین نے زیادہ خراج وصول کر کے بھیجا ہے (اونٹنی نے زیادہ دودھ دیا) تو انہوں نے یہ معنی خیز فقرہ کہا ــــــ "مگر بچے بھوکے رہ گئے"

اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ اہلِ مصر سے خراج تو زیادہ وصول کر لیا گیا لیکن یہ نہیں دیکھا گیا کہ خراج دینے کے بعد وہ قلاش یا تنگ دست تو نہیں ہو گئے۔

تدبیر و سیاست اور فہم و فراست کے اعتبار سے حضرت عمرؓو بن العاص کا شمار عرب کے چوٹی کے مدبرین (دُہاۃِ عرب) میں ہوتا تھا۔ ان کی سیرت پر بغور نظر ڈالیں تو یہی نتیجہ اخذ کرنا پڑے گا کہ دماغی قابلیت کے لحاظ سے وہ یکتائے عصر تھے۔ ان کی اصابتِ رائے کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"تم اسلام میں صائب رائے کے آدمی ہو۔" (کنز العمال)

حضرت عمر فاروقؓ جیسے مردم شناس عبقری کہا کرتے تھے:۔

"عمرو بن العاص حکومت کے لیے موزوں ہیں۔"

وہ جب کسی ناپختہ اور ضعیف رائے کے آدمی کو دیکھتے تو یہ کہہ کر حیرت کا اظہار کرتے ــــــ "اللہ اکبر ــــ اس شخص کا اور عمرو بن العاص کا خالق ایک ہے۔"

شیخینؓ کے بعد حضرت عمرؓو بن العاص نے جو طرزِ عمل اختیار کیا بعض اربابِ سیَر و تاریخ نے اس پر تنقید کی ہے۔ لیکن اس قسم کے مباحث ہماری کتاب کا موضوع نہیں ہیں۔ علماء سلف کے نزدیک مشاجراتِ صحابہؓ کے بارے میں کفِ لسان بہترین طریقہ ہے۔ اگر کسی صاحبِ رسولؐ سے کوئی لغزش سرزد ہو بھی گئی ہو تو ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ ہمارے لیے روا نہیں کہ ان پر زبانِ طعن دراز کریں اور ان کے دوسرے فضائل و مناقب کو نظر انداز کر دیں۔

حضرت عمرؓو بن العاص باوجود اپنے اعلیٰ منصب اور تموّل کے نہایت منکسر المزاج تھے۔ نخوت اور تند خوئی ان کو چھو کر نہیں گئی تھی۔ ماتحتوں پر باپ کی طرح شفیق تھے۔ ایک جنگ میں ان کا غلام اور فرزند دونوں زخمی ہو گئے، وہ پہلے غلام کے پاس گئے اس کے زخم دیکھے اور تسلی دے کر کہا، اب کچھ روز آرام کرو۔ اس کے بعد بیٹے کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کا حال دریافت کیا۔

حضرت قبیصہؓ کا بیان ہے کہ "حضرت عمرؓو بن العاص اپنے دوستوں میں اتنے محترم اور محبوب تھے کہ ان سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔"

انہوں نے اپنے حسنِ سلوک سے مصریوں کے دل موہ لیے تھے اور وہ ان کو اپنا مربّی سمجھتے تھے کبھی کبھار غصہ آجاتا تھا لیکن عام طور پر نہایت شیریں گفتار اور خوش اخلاق تھے۔ ایک دفعہ ایک بڈھے خچر پر سوار کہیں جا رہے تھے۔ ایک صاحب دیکھ کر بولے کہ آپ امیرِ مصر ہو کر ایسے جانور پر سوار ہوتے ہیں، فرمایا، جانور جب تک بوجھ اٹھائے، بیوی جب تک وفا شعار رہے، اور دوست جب تک رازدار رہے میں کسی سے بیزار نہیں ہوتا۔

اہلِ سیر نے حضرت عمروؓ بن العاص کے بہت سے اقوالِ حکمت نقل کیے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

- سب سے بڑا بہادر اور جری وہ ہے جس کے غضب (یا جس کی جہالت) پر اس کا حلم غالب ہو۔
- سب سے بڑا سخی وہ ہے جو اپنی دنیا کو دین کی بہتری میں صرف کرے۔
- ایک ہزار لائق آدمیوں کے مرجانے سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا ایک نالائق کے صاحبِ اختیار ہونے سے پہنچ جاتا ہے۔
- شریف بھوکا ہوتا ہے تو مقابلہ کرتا ہے اور رذیل کا پیٹ بھر جاتا ہے تو بالمقابل کھڑا ہونے کی ہمت کرتا ہے۔ لہٰذا بھوکے شریف اور شکم سیر رذیل سے ڈرتے رہو۔ شریف کو کھانے کو دو اور رذیل کو قابو میں رکھو۔
- میں نے خود اپنا راز کسی دوست سے کہہ دیا اور اس نے اسے عالم آشکار کر دیا تو قابلِ ملامت وہ نہیں میں ہوں۔

حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت امیر معاویہؓ کے وفادار ساتھی تھے لیکن ان کے سامنے حق بات کہنے میں کبھی نہ جھجکتے تھے اور جو دل میں ہوتا زبان پر لے آتے تھے۔

اہلِ سیر نے اس قسم کے کئی واقعات بیان کیے جن سے ان کی حق گوئی اور بے باکی کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص بلاشبہ ہماری تاریخ کی ایک قدآور شخصیت ہیں۔ بھلا جس ہستی کو خود سید المرسلین فخرِ موجودات رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردِ صالح کے خطاب سے نوازا ہو اور آخر دم تک محبوب رکھا ہو اس کی خوش بختی اور عظمت میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ـــــ شہسوارِ قریش

①

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہجرت کا اذن ملنے پر بیشتر صحابہ کرامؓ جو سالہا سال سے مشرکین مکہ کے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے، اپنے گھر بار اور وطنِ عزیز کو خیر باد کہہ کر یثرب آ گئے ـــــ جلد ہی بعد حضورؐ نے بھی یثرب میں نزولِ اجلال فرمایا اور ارضِ حجاز کا یہ قدیم شہر "مدینۃ النبیؐ" بن گیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ مہاجرین کے مدینہ آنے کے بعد عرصہ تک ان میں سے کسی کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ یہودِ مدینہ جو نہایت بدباطن اور شریر لوگ تھے، انہوں نے مشہور کر دیا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر کے ان کا سلسلۂ نسل منقطع کر دیا ہے۔ مسلمانوں کو یہود کی باتوں پر یقین تو نہیں تھا پھر بھی وہ کچھ افسردہ سے تھے۔ عین اس وقت جب یہودیوں کی شر انگیزی پورے عروج پر تھی، ایک مہاجر گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس بچے کی ولادت کی خبر مشہور ہوئی تو مسلمانوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے وفورِ انبساط میں اس زور سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے کہ دشت وجبل گونج اٹھے۔ اس بچے کے والدین اس کو لے کر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے بچے کو گود میں لیا ـــــ پھر ایک کھجور منگوائی، دہن مبارک میں ڈال کر اسے چبایا اور اپنے لعابِ دہن کے ساتھ اسے نومولود کو چٹایا ـــــ پھر اس بچے کے لیے دعائے خیر و برکت کی اور اسے اس کی ماں کو واپس دے دیا۔

یہ خوش بخت بچہ جس کی پیدائش پر اہلِ حق نے غیر معمولی مسرت کا اظہار کیا اور جس کے دہن و شکم میں سب سے پہلے جو چیز گئی وہ رحمتِ دو عالم فخرِ موجودات سید الانبیاءؐ والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

کا مقدس لعاب دہن تھا، سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔

(۲)

سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تاریخ اسلام کی نہایت اہم اور قدآور شخصیت ہیں۔ اگرچہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر دس برس سے زیادہ نہ تھی لیکن اپنے شرفِ خاندانی، علم وفضل، زہد وعبادت، شجاعت وشہامت اور اور بعض دوسرے اوصاف کی بناء پر ان کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق قریش کے خاندان بنو اسد سے تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن زبیرؓ بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزّٰی بن قصیّ

حضرت عبداللہؓ کے والد حضرت زبیرؓ بن العوام اصحاب عشرہ مبشرہؓ میں سے ہیں۔ حواریٔ رسولؐ ان کا لقب تھا اور وہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ حضورؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب ان کی والدہ تھیں۔ اس نسبت سے حضورؐ ان کے ماموں زاد بھائی تھے اور حضرت عبداللہؓ حضورؐ کے بھتیجے۔

حضرت عبداللہؓ کی والدہ حضرت اسماءؓ سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی بڑی صاحبزادی تھیں ان کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا لقب ذات النطاق یا ذات النطاقین تھا کیونکہ ہجرتِ نبوی کے موقع پر انہوں نے اپنا کمر بند (نطاق) پھاڑ کر کھانے کے برتن کا منہ باندھا تھا۔ والدہ کے تعلق سے محسنۂ اُمت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خالہ تھیں۔ بغرض دادھیال اور ننھیال دونوں کے اعتبار سے ان کا خاندانی شرف ومجد سب کے نزدیک مسلّم تھا۔

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کے سالِ ولادت کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت کے مطابق وہ ۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور دوسری روایت کے مطابق ان کی ولادت ہجرت سے بیس ماہ بعد ۲ھ ہجری میں ہوئی۔ جس فضا اور ماحول میں ان کی ولادت ہوئی اس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضورؐ نے ان کے جلیل القدر نانا کی کنیت پر ان کی کنیت بھی ابوبکر رکھی۔ ان کی دوسری کنیت ابو خُبَیب تھی اور اسی نے زیادہ شہرت پائی۔

امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہؓ سات آٹھ برس کے ہوئے تو ایک دن حضرت زبیرؓ انہیں ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:-

"یا رسول اللہ میرے اس بچے کو بیعت سے مشرّف فرمائیے۔"

حضورؐ کمسن عبداللہؓ کو دیکھ کر متبسم ہوئے اور پھر انہیں بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ بیعت سے مشرّف فرمایا۔

اہلِ سیر کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت اور محبّت تھی۔ وہ اکثر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوتے اور فیضانِ رسالت سے خوب بہرہ یاب ہوتے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھانجے سے بہت محبّت تھی اس لیے وہ کبھی والدہ کے ہمراہ اور کبھی تنہا ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے رہتے تھے۔ حافظہ نہایت قوی پایا تھا، حضورؐ کو جو کچھ کرتا دیکھتے یا آپؐ سے جو کچھ سنتے اسے یاد رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے متعدد احادیث براہِ راست حضورؐ سے روایت کی ہیں۔

ایک مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے پچھنے لگوائے۔ اس وقت حضرت عبداللہؓ بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے۔ پچھنے لگنے سے جو خون نکلا، حضورؐ نے وہ حضرت عبداللہؓ کو دے کر فرمایا کہ اس کو کہیں دبا دو۔ ان کو حضورؐ سے اس قدر محبت اور عقیدت تھی کہ یہ مقدّس خون خاک میں دبانا گوارا نہ ہوا۔ حضورؐ کی نظروں سے اوجھل ہو کر اس کو پی لیا۔ واپس آئے تو آپؐ نے پوچھا، اس خون کو کہاں پھینکا؟

انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میں نے اس کو پی لیا۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو جہنّم کی آگ نہیں چھو سکتی البتہ ایک دن تم لوگوں کے ہاتھ سے اور لوگ تمہارے ہاتھ سے مارے جائیں گے۔"

(تاریخ الخلفاء للسیوطیؒ بحوالہ مسند ابویعلیٰ)

(۳)

حضرت عبداللہؓ بچپن ہی سے بہت دلیر اور نڈر تھے۔ جنگِ خندق کے وقت ان کی عمر تقریباً پانچ برس کی تھی۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں وہ ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر جنگ کے مناظر دیکھا کرتے تھے اور ذرا بھی خوف نہیں کھاتے تھے۔

ایک مرتبہ وہ اپنے چند ہمعصر لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ کسی شخص نے بچوں کو ڈرانے کے لیے بھیانک آواز نکالی۔ دوسرے بچے تو ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن حضرت عبداللہؓ اپنی جگہ پر ڈٹے رہے پھر اپنے ساتھیوں کو واپس بلایا اور ان سے کہا، میں تمہارا سردار بنتا ہوں آؤ سب مل کر اس شخص کو اس کی شرارت کا مزہ چکھائیں۔ چنانچہ سب لڑکے ان کو اپنا سردار بنا کر اس شخص پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ اس کو بھاگتے ہی بنی۔

حضرت عمر فاروقؓ بڑے رعب اور دبدبہ کے آدمی تھے۔ اگر بچے کسی جگہ کھیل رہے ہوتے اور ان کو دیکھ لیتے تو بھاگ کھڑے ہوتے۔ ایک دن حضرت عبداللہؓ بہت سے ہمجولیوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ اُدھر سے حضرت عمر فاروقؓ گزرے۔ سب لڑکے کھیل چھوڑ چھاڑ اِدھر اُدھر دبک گئے لیکن حضرت عبداللہؓ وہیں کھڑے رہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا۔ "لڑکے تم کیوں نہیں بھاگے؟"

حضرت عبداللہؓ نے بے باکی سے جواب دیا۔ "میں کیوں بھاگتا؟ نہ میں نے کوئی شرارت کی ہے اور نہ راستہ تنگ ہے کہ آپ کے لیے چھوڑتا۔"

حضرت عمر فاروقؓ ان کی جرأت اور بے خوفی دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

حضرت عبداللہؓ عہدِ رسالت اور عہدِ صدیقی میں کمسن تھے اس لیے کسی غزوے میں شریک نہ ہو سکے۔ عہدِ فاروقی میں اُن کا عنفوانِ شباب تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ اس عہد میں وہ سب سے پہلے اپنے والد کے ہمراہ جنگِ یرموک (۱۵ھ)

میں شریک ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر پندرہ برس کے لگ بھگ تھی۔ چونکہ ابھی ناتجربہ کار تھے اور جنگ کے ہنگامے میں انہیں نقصان پہنچ جانے کا خدشہ تھا، اس لیے حضرت زبیرؓ نے انہیں گھوڑے پر سوار کر دیا تھا اور ایک مجاہد کو ان کی حفاظت پر مامور کر دیا تھا۔

۱۹ سنہ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کی مدد کے لیے ایک امدادی فوج مصر روانہ کی۔ حضرت عبداللہؓ کے والد حضرت زبیرؓ بھی اس کے افسروں میں شامل تھے۔ انہوں نے مدینہ سے چلتے وقت اپنے ساتھ حضرت عبداللہؓ کو بھی لے لیا۔ چنانچہ وہ مصر کے کئی معرکوں میں اپنے والد کے ساتھ شریک ہوئے۔ مصر سے واپسی کے بعد وہ تحصیل علم میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ ۲۴ سنہ ھ میں حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت کا آغاز ہو گیا۔ ۲۶ سنہ ہجری میں امیرالمومنین حضرت عثمانؓ غنی نے حضرت عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح کو طرابلس (لیبیا) کی تسخیر کے لیے افریقیہ روانہ کیا (افریقیہ اس زمانے میں لیبیا، الجزائر اور مراکش وغیرہ کے مجموعے کا نام تھا اور طرابلس اس کا مرکزِ حکومت تھا)۔

طرابلس کا حکمران ایک عیسائی بطریق جرجیر (EXARCH GREGORY گریگوری) نامی ایک آزمودہ کار جرنیل تھا۔ وہ ایک لاکھ بیس ہزار جنگجوؤں پر مشتمل لشکر مسلمانوں کے مقابلے پر لے آیا۔ اس کی ایک بیٹی، جس کا نام بعض روایتوں میں فلپانا بیان کیا گیا ہے حسن و جمال اور ذہانت و شجاعت میں اپنی مثال آپ تھی وہ بھی باپ کے پہلو بہ پہلو گھوڑے پر سوار ہو کر لڑائی میں شریک ہوتی تھی اور اپنے لشکر کو مسلمانوں کے خلاف جوش دلاتی تھی۔ کئی ماہ تک دونوں فوجوں کے درمیان جھڑپیں ہوتی رہیں لیکن لڑائی کا کوئی فیصلہ ہونے میں نہ آیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جرجیر نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص مسلمانوں کے سپہ سالار کا سر کاٹ کر لائے گا اسے وہ ایک لاکھ دینار نقد انعام دے گا اور اپنی بیٹی بھی اس کے ساتھ بیاہ دے گا۔ اس اعلان سے عیسائی لشکر کی ہمت دوچند ہو گئی تھی اور بہت سے عیسائی فوجی حضرت عبداللہؓ بن سعد کی تاک میں رہتے تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن سعد نے بنظرِ احتیاط میدانِ جنگ میں آنا چھوڑ دیا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ کو کئی ماہ تک

لڑائی کے نتیجے کی اطلاع نہ ملی تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی سرکردگی میں ایک کمکی فوج طرابلس بھیجی - ابن زبیرؓ میدانِ جہاد میں وارد ہوئے تو مسلمانوں نے انھیں دیکھ کر تکبیر کا نعرہ لگایا - جرجیر نے اس کا سبب پوچھا تو اسے بتایا گیا کہ مسلمانوں کی مدد کے لیے تازہ دم فوج پہنچی ہے - اس پر وہ سراسیمہ ہو گیا لیکن اپنی فوج کی ہمت بدستور بندھاتا رہا - ابن زبیرؓ کے آنے سے پہلے لڑائی کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا انہوں نے آتے ہی صبح سے دوپہر تک کا وقت رزم آرائی کے لیے مقرر کیا - چنانچہ لڑائی اسی ڈھنگ سے ہونے لگی - ابن زبیرؓ کے مشورہ پر سپہ سالار عبداللہؓ بن سعد نے بھی اعلان کر دیا کہ جو شخص جرجیر کا سر کاٹ کر لائے گا اسے ایک لاکھ نقد انعام دیا جائے گا اور جرجیر کی بیٹی بھی اس کے ساتھ بیاہ دی جائے گی - یہ اعلان کرنے کے بعد وہ خود بھی لڑائی میں سرگرمی سے حصہ لینے لگے لیکن پھر بھی لڑائی کسی فیصلہ کن مرحلے میں داخل نہ ہوئی - ایک دن ابن زبیرؓ نے اپنے سپہ سالار سے کہا کہ لڑائی کا اس طرح فیصلہ نہ ہو گا کیونکہ ہم اپنے مرکز سے بہت دُور ہیں جبکہ جرجیر اپنے ملک کے اندر ہے اور اس کو ہر طرح کی مدد مل رہی ہے - میرا مشورہ یہ ہے کہ کل ہم اپنی فوج کے منتخب بہادروں کو ان کے خیموں میں چھوڑ دیں اور باقی فوج کے ساتھ عیسائیوں سے نبرد آزما ہوں - جب دوپہر کے بعد عیسائی فوج تھک کر لوٹنے لگے تو ہمارے تازہ دم بہادر خیموں سے نکل کر اس پر ٹوٹ پڑیں - سپہ سالار نے اس تدبیر کو بہت پسند کیا اور دوسرے دن اسی کے مطابق عمل کیا - جب عیسائی فوج تھک کر پیچھے ہٹی تو ابن زبیرؓ اپنے تازہ دم بہادروں کو ساتھ لے کر اس پر ٹوٹ پڑے - یہ حملہ اتنا شدید اور ناگہانی تھا کہ جرجیر اور اس کی بیٹی کی ہزار کوششوں کے باوجود عیسائی قدم جما کر لڑ نہ سکے اور سخت افراتفری کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے - جرجیر حضرت ابن زبیرؓ کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کی بیٹی کو مسلمانوں نے اسیر کر لیا - سپہ سالار نے اپنے اعلان کے مطابق اسے ابن زبیرؓ کو دے دیا، انہوں نے اس لڑکی سے شادی کر لی یا اسے آزاد کر دیا؟ مستند تاریخوں سے اس کا کوئی جواب نہیں ملتا - طرابلس کی تسخیر کے بعد مسلمانوں نے افریقیہ کے دوسرے تمام مشہور شہر اور علاقے بھی یکے بعد دیگر

فتح کر لیے۔ ان تمام معرکوں میں ابنِ زبیرؓ نہایت بے جگری سے لڑے اور اپنی شجاعت کی دھاک بٹھادی۔ "دائرۂ معارفِ اسلامیہ" میں الاغانی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابنِ زبیرؓ فتح وظفر کی خبر لے کر مدینے واپس آئے اور انہوں نے اس مہم کا نقشہ نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں کھینچا۔ ۲۹-۳۰ھ میں حضرت سعیدؓ بن العاص نے طبرستان (شمالی ایران) پر لشکر کشی کی تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی ان کے لشکر میں شامل ہو گئے اور متعدد معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ طبرستان کی فتح کے بعد واپس آئے تو حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے انہیں اُس مجلس کا رکن مقرر کیا جو انہوں نے تحریرِ مصاحف (قرآنِ کریم کی نقل) کے لیے قائم کی۔ اس مجلس کے دوسرے ارکان حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری، حضرت سعیدؓ بن عاص اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن حارث بن ہشام تھے۔ حضرت ابنِ زبیرؓ کی عمر اس وقت صرف تیس برس کی تھی لیکن اس مقدس اور اہم کام کے لیے ان کا انتخاب اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اس وقت علم و فضل کے اعتبار سے بہت بلند مقام پر فائز ہو چکے تھے۔

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے خلاف شورش نے زور پکڑا اور ۳۵ھ میں مفسد پردازوں نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ان سرفروشوں میں شامل تھے جو باغیوں سے لڑنا چاہتے تھے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ وہ اجازت دیں تو وہ اپنی جمعیت کے ساتھ باغیوں سے نبرد آزما ہوں لیکن کریم النفس امیرالمومنینؓ نے فرمایا کہ میں تم کو خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی بھی میری خاطر خون نہ بہائے اور نہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالے۔ اس پر حضرت ابنِ زبیرؓ خاموش ہو گئے تاہم وہ بعض دوسرے جوانانِ قریش کی معیت میں دروازے کے باہر کھڑے ہو کر پہرہ دیتے رہے۔ محاصرے کے چالیسویں دن باغی صدر دروازہ چھوڑ کر پچھلی طرف سے دیوار پھاند کر اندر گھس گئے اور ضعیف العمر امیرالمومنینؓ کو، جب وہ تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے، نہایت بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ مسند نشین خلافت ہوئے تو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے

قصاصِ عثمانؓ یا اصلاح کا عَلَم بلند کیا۔ اسی سلسلہ میں ۳۶ھ میں جمل کی افسوسناک لڑائی پیش آئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اُمّ المؤمنینؓ کی پیدل فوج کے افسر تھے۔ وہ اس بے جگری سے لڑے کہ سارا جسم زخموں سے چھلنی ہوگیا۔ اختتامِ جنگ پر شمار کیا گیا تو ان کے بدن پر نیزوں اور تلواروں کے چالیس سے زیادہ زخم پائے گئے۔ لڑائی کے آغاز سے پہلے حضرت عبداللہؓ سایۂ پدری سے بھی محروم ہو گئے، والدِ گرامی حضرت زبیرؓ میدانِ جنگ سے کنارہ کش ہو کر واپس جا رہے تھے کہ ایک بدباطن شخص عمرو بن جرموز نے انہیں عین اس وقت شہید کر دیا جب وہ نماز پڑھتے ہوئے سربسجدہ تھے۔ لڑائی میں حضرت علیؓ غالب آئے تو حضرت عبداللہؓ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور صفین کی خانہ جنگی میں مطلق کوئی حصہ نہ لیا سوا اس کے کہ دومۃ الجندل کے محاکمے میں موجود تھے جس کا مقصد فریقین میں صلح کی راہ ہموار کرنا تھا۔

(۴)

رمضان ۴۰ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے شہادت پائی اور سیدنا حضرت حسنؓ سریر آرائے خلافت ہوئے لیکن حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کی کہ چند ماہ بعد وہ امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ اس طرح ۴۱ھ میں امیر معاویہؓ تمام عالمِ اسلام کے بلا شرکتِ غیرے فرماں روا بن گئے۔ حضرت ابن زبیرؓ نے ان کے عہدِ خلافت کا بیشتر حصہ گوشہ نشینی میں گزارا اور ملکی سیاست میں کسی قسم کا حصہ نہ لیا۔ کسی جھگڑے میں پڑنے کی بجائے انہوں نے امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ والدِ محترم کے ترکہ سے ان کے حصے میں کافی جائداد آئی تھی اور پھر تجارت بھی کرتے تھے اس لیے فکرِ معاش کی طرف سے بے نیاز تھے۔ ۴۹-۵۰ھ (یا بروایتِ دیگر ۵۱-۵۲ھ) میں امیر معاویہؓ نے ایک لشکر قسطنطنیہ کی تسخیر کے لیے روانہ کیا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر اس لشکر میں شریک ہو گئے۔ بعض روایتوں کے مطابق یہ وہی لشکر تھا جس کے بارے میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ:۔

"میری اُمّت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر جہاد کرے گا، اللہ نے اس کو بخش دیا ہے۔"

اس مہم سے واپسی کے بعد انہوں نے حسبِ سابق گوشۂ عزلت اختیار کر لیا تا آنکہ امیر معاویہؓ نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں یزید کو ولی عہد نامزد کیا اور لوگوں کو یہ نامزدگی تسلیم کرنے کی دعوت دی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسینؓ بن علیؓ نے یزید کی ولی عہدی کی پُرزور مخالفت کی۔ امیر معاویہؓ ان کو اس بات پر رضا مند کرنے کے لیے بہ نفسِ نفیس دمشق سے مکہ معظمہ آئے جہاں یہ اصحاب مدینہ منوّرہ سے آکر مقیم ہو گئے تھے (ایک اور روایت کے مطابق امیر معاویہؓ سے ان اصحاب کی گفتگو مدینہ منوّرہ ہی میں ہوئی)۔ امیر معاویہؓ نے ان چاروں کو بُلا بھیجا۔ سب نے گفتگو کے لیے اپنا نمائندہ حضرت ابنِ زبیرؓ کو بنایا۔ حضرت معاویہؓ اور ابنِ زبیرؓ کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

امیر معاویہؓ: تم سب میرے عزیز ہو اور تمہیں بخوبی علم ہے کہ میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے۔ یزید تمہارا بھائی اور ابنِ عم ہے۔ (مسلمانوں کو انتشار اور خونریزی سے بچانے کے لیے) میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اسے خلافت کے لیے نامزد کر دو۔ لیکن حکومت کے تمام اختیارات تم اپنے ہاتھ میں رکھو وہ تم سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔

عبداللہ بن زبیرؓ: اے امیر ہم تین صورتیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک آپ اختیار کر لیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی کو نامزد نہ کیجیے اُمّت آپ کے بعد خود ہی خلیفہ منتخب کر لے گی، دوسرا طریقہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہے اپنا جانشین اس شخص کو مقرر کیجیے جو نہ آپ کا رشتہ دار ہو اور نہ آپ کے قبیلے سے ہو۔ تیسری صورت حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل ہے کہ چند اشخاص کو نامزد کر دیجیے جو آپ کے بعد خلیفہ کا انتخاب اپنے میں سے کر لیں۔

امیر معاویہؓ :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسے لوگ موجود تھے جن پر اُمت اتفاق کر سکتی تھی اور اس نے ابوبکر صدیقؓ پر اتفاق کر لیا لیکن اب وہ بات کہاں؟ اب تو اختلاف کے اور بڑھ جانے کا خطرہ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی نگاہ حضرت عمرؓ پر پڑ سکتی تھی لیکن میرے بعد (بنو امیہ سے باہر) ایسا کون ہے جس کو میں کامل اعتماد کے ساتھ نامزد کر سکوں۔ تیسری صورت پر بھی موجودہ حالات میں عمل کرنا ممکن نہیں۔ کیا ان کے علاوہ کوئی اور طریقہ بھی ہے ؟

عبداللہ بن زبیرؓ :۔ نہیں۔

اس گفتگو کے بعد امیر معاویہؓ نے ان بزرگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا یا ان سے جبراً یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے لی؟ اس کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ بہرصورت امیر معاویہؓ کے دل میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے کھٹک پیدا ہو گئی۔ چنانچہ رجب ۶۰ھ ہجری میں اپنی وفات سے پہلے انہوں نے یزید کے لیے جو وصیت چھوڑی اس میں منجملہ دوسری نصیحتوں کے ایک یہ بھی تھی کہ :

" خلافت کے معاملے میں تجھے قریش کے تین آدمیوں سے خطرہ رہے گا۔ حسینؓ بن علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ[1] حسینؓ کو ایک نہ ایک دن اہلِ عراق ضرور تمہارے مقابلہ پر لائیں گے۔ ان پر قابو پالو تو درگزر سے کام لینا۔ وہ ہمارے قرابت دار ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں اور ان کا ہم پر حق ہے۔
عبداللہ بن عمرؓ خلافت کے جنجال میں پڑنا پسند نہیں کریں گے اور اپنی عبادت سے کام رکھیں گے۔ جب دوسرے لوگ تمہاری بیعت کر لیں گے تو وہ بھی اس معاملہ میں ان کا ساتھ دیں گے البتہ جس شخص سے تمہیں حقیقی خطرہ ہے وہ عبداللہ بن زبیرؓ ہے۔ یہ شخص لومڑی کی چال چل کر شیر کی طرح تم پر

---

[1] حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ اس وقت وفات پا چکے تھے۔

حملہ آور ہوگا۔ اس پر قابو پالو تو کبھی زندہ نہ چھوڑنا۔ ہاں اگر وہ صلح کرے تو قوم کو خونریزی سے بچانے کے لیے تم بھی صلح سے انکار نہ کرنا۔"

(۵)

امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید تختِ حکومت پر بیٹھا تو اہلِ شام نے فوراً اس کی بیعت کر لی۔ حجاز کے اکثر لوگوں سے امیر معاویہؓ نے اپنی زندگی ہی میں بیعت لے لی تھی۔ جن لوگوں نے بیعت نہیں کی تھی ان میں سیدنا حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ دو ایسی شخصیتیں تھیں جنہیں یزید کسی صورت میں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ولید بن عتبہ حاکمِ مدینہ کو تاکیدی حکم بھیجا کہ ان دونوں بزرگوں سے میری بیعت لو۔ ولید نے ان دونوں کو بلا بھیجا۔ حضرت حسینؓ اس کی طلبی پر چلے آئے لیکن بیعت سے انکار کر دیا۔ ابنِ زبیرؓ نے ایک دن کی مہلت مانگ لی اور راتوں رات اہل و عیال سمیت مدینہ منورہ سے نکل کر مکّہ معظمہ آ گئے۔ اہلِ مکّہ نے ابنِ زبیرؓ کو ہاتھوں ہاتھ لیا کیونکہ وہ ان کے زہد و اتقا اور دوسرے اوصاف و محاسن کی بناء پر ان کے مداح تھے۔ اسی دوران میں حضرت حسینؓ بھی اہل و عیال سمیت کوفہ کے قصد سے مدینہ سے مکّہ تشریف لے آئے۔ حضرت ابنِ زبیرؓ کو سیدنا حسینؓ کے عزمِ کوفہ کا علم ہوا تو وہ ان کے پاس آئے اور کہا:

> "بہتر یہ ہے کہ آپ یہیں حرم میں مقیم رہیں۔ یہیں سے سارے شہروں کی طرف اپنے قاصد دوڑا دیں۔ اور اپنے عراقی حامیوں سے کہیں کہ وہ یہیں آپ کے پاس پہنچ جائیں۔ پھر جب آپ کے ہاتھ مضبوط ہو جائیں تو یزید کے عُمّال کو یہاں سے نکال باہر کریں۔ میں بھی آپ کا ساتھ دوں گا، یہ میرا فرض ہے۔ میں تو آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ خلافت کا مطالبہ یہیں حرم میں رہ کر کریں اس لیے کہ تمام دنیا کے لوگ یہیں جمع ہوتے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو آپ اپنے مقصد میں ناکام نہ رہیں گے۔"

حضرت حسینؓ کوفہ جانے کا پختہ عزم کر چکے تھے اس لیے انہوں نے ابنِ زبیرؓ

کا مشورہ قبول نہ کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے حضرت ابن زبیرؓ کو یہ جواب دیا کہ :

"میں نے اپنے والد سے یہ حدیث سنی ہے کہ حرم کا ایک مینڈھا ہے جس کی وجہ سے اس کی حرمت اٹھ جائے گی، میں نہیں چاہتا کہ یہاں رہ کر وہ مینڈھا بنوں۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور بعض دوسرے بہی خواہوں نے بھی سیدنا حسینؓ کو کوفہ نہ جانے کا مشورہ دیا لیکن انہوں نے کسی کا مشورہ قبول نہ کیا اور اہل وعیال سمیت عازم کوفہ ہوگئے۔ ۱۰ محرم ۶۱ھ ہجری کو کربلا کا دلدوز سانحہ پیش آیا ـــــ اور سیدنا حسینؓ اپنے متعدد عزیزوں اور ساتھیوں سمیت میدانِ کربلا میں یزیدی فوج کے ہاتھ سے شہید ہوگئے۔ اس حادثۂ فاجعہ کی خبر حضرت ابن زبیرؓ کو ہوئی تو انہیں سخت صدمہ پہنچا۔ انہوں نے تمام اہلِ مکہ کو مسجدِ حرام میں بلایا اور ان کے سامنے ایک رقت انگیز تقریر کی جس میں فرمایا :

"لوگو! اہلِ عراق سے بدتر مخلوق روئے زمین پر نہیں ہے اور عراقیوں میں بدترین کوفہ کے لوگ ہیں۔ انہوں نے بار بار خطوط بھیج کر حسینؓ کو اس لیے بلایا کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے لیکن جب حسینؓ ان کی سرحدیں پہنچے تو ان لوگوں نے ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا بلکہ اکثر نے بنو امیہ کی حمایت کی۔ یزیدی فوج نے مظلوم حسین کو گھیر لیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ یزید کی بیعت کر دو اور اپنے آپ کو ابنِ زیاد کے حوالے کر دو ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ واللہ حسینؓ اس بات سے آگاہ تھے کہ وہ بے سروسامان ہیں لیکن انہوں نے ذلت کی زندگی کو ٹھکرا دیا اور عزت کی موت قبول کی۔ خدا حسینؓ کے قاتلوں کو ذلیل کرے لیکن مشیتِ ایزدی کے سامنے چارہ نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا حسینؓ کی شہادت کے بعد ہم ان بدکردار لوگوں کے قول و فعل پر بھروسا کر سکتے ہیں؟"

سارے مجمع نے بیک آواز کہا ـــــ "ہرگز نہیں۔"

حضرت ابن زبیرؓ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا :-

"لوگو! خدا کی قسم ان ظالموں نے اس عظیم المرتبت شخص کو قتل کیا جو دن کو روزے رکھتا تھا اور رات کو عبادت کرتا تھا، جو قرآن خواں اور پاکباز تھا۔ جو ہر لحاظ سے ان سے بڑھ کر خلافت کا مستحق تھا۔ واللہ حسینؓ روزے کے مقابلے میں بادہ خواری، خوفِ خدا سے رونے کے مقابلے میں رقص و سرود، قرآن کی ہدایت کے مقابلے میں گمراہی اور ذکرِ حق کے مقابلے میں شکاری کتوں کے ذکر کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ خدا ان دھوکے باز قاتلوں کو سخت سزا دے گا۔"

ابن زبیرؓ تقریر ختم کر کے رو پڑے اور مجمع بھی اشکبار ہو گیا۔ پھر سب لوگ ابن زبیرؓ کے گرد جمع ہو گئے اور کہا "واللہ حسینؓ کے بعد آپ سے بڑھ کر کوئی مستحق خلافت نہیں، حسینؓ کے قاتلوں سے ہم بیزاری کا اظہار کرتے ہیں آپ ہاتھ بڑھائیے ہم آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرتے ہیں۔"

لوگوں کے اصرار پر حضرت ابن زبیرؓ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا اور ابن عباسؓ اور محمد بن حنفیہؒ کے سوا تمام اہلِ مکہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

(۶)

یزید کو ان حالات کا علم ہوا تو وہ سخت غضبناک ہوا اور حاکمِ مدینہ کو حکم بھیجا کہ ابن زبیرؓ کو گرفتار کر کے دمشق بھیجو۔ یہ حکم ملنے پر حاکمِ مدینہ نے ایک چھوٹی سی فوج ابن زبیرؓ کی گرفتاری کے لیے بھیجی۔ اس فوجی دستے کی قیادت حضرت عبداللہؓ کا ایک بھائی عمرو بن زبیرؓ کر رہا تھا، ایک اور روایت کے مطابق عمرو بن زبیرؓ ایک سفارت لے کر عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ امیر المؤمنین یزید بن معاویہؓ آپ کو عزت و احترام کے ساتھ دمشق بلاتے ہیں۔ اس سفارت کا اصل مقصد یہ تھا کہ اگر ابن زبیرؓ اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو جائیں تو انہیں گرفتار کر لیا جائے۔ بہرصورت حضرت عبداللہؓ نے

یزیدی فوج کو شکست دے کر یا اپنے خلاف سازش کرنے کے جرم میں عمرو بن زبیرؓ کو گرفتار کر لیا اور چند دن بعد مروا دیا۔ اس کے بعد ابن زبیرؓ نے کھلم کھلا یزید کی معزولی کا اعلان کر دیا۔ اہل مدینہ نے بھی ان کی مثال کی پیروی کی اور انہوں نے یزید کی خلافت سے انکار کر کے حضرت عبداللہؓ بن حنظلہؓ غسیل الملائکہ کو اپنا مقامی امیر منتخب کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ فسخ بیعت سے پہلے اہل مدینہ کا ایک وفد دمشق گیا وہاں اس کی بہت آؤ بھگت ہوئی لیکن اس وفد نے واپس آ کر اہل مدینہ کے سامنے یزید کے مشاغل کی ایسی مکروہ تصویر کھینچی کہ وہ اس سے منحرف ہو گئے۔ یزید نے اس صورت حال پر قابو پانے کے لیے مسلم بن عقبہ مرّی کی سرکردگی میں ایک شامی فوج حجاز روانہ کی۔ جب یہ فوج مدینہ پہنچی تو اہل مدینہ نے اس کا پُر زور مقابلہ کیا مگر مسلم بن عقبہ کی جنگی مہارت سے مات کھا گئے۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ نے سینکڑوں اہل مدینہ سمیت مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ ان میں بیسیوں اصحابؓ رسولؐ بھی شامل تھے۔ شامی فوج نے تین دن تک مدینہ منورہ میں قتل و غارت کا بازار گرم رکھا اس کے بعد وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو مطیع کرنے کے لیے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئی۔ اثنائے راہ میں مسلم بن عقبہ نے وفات پائی اور اس کی جگہ حصین بن نمیر شامی فوج کا سپہ سالار بنا۔ وہ مکہ کے قریب پہنچا تو ابن زبیرؓ نے شہر سے باہر نکل کر شامی فوج کا پُر زور مقابلہ کیا لیکن شامیوں کے زبردست دباؤ کی وجہ سے انہوں نے محصور ہو کر مدافعت کا فیصلہ کیا۔ حصین بن نمیر نے جبل ابو قبیس پر منجنیق نصب کر کے خانہ کعبہ پر آتشباری اور سنگ باری شروع کر دی اس سے کعبہ کی عمارت کو بہت نقصان پہنچا تاہم حضرت ابن زبیرؓ نہایت پامردی سے مقابلہ کرتے رہے۔ انہوں نے مسجد حرام میں خیمہ نصب کر رکھا تھا نہ آتشباری کی پروا تھی نہ سنگ باری کی۔ خیمے سے نکل کر نہایت سکون سے حرم کے اندر نماز میں مشغول رہتے تھے۔ خود حصین بن نمیر کا بیان ہے کہ جب میں نے مکہ کا محاصرہ کر رکھا تھا، ابن زبیرؓ اپنے خیمے سے اس طرح نکلتے تھے، جس طرح جھاڑی سے شیر نکلتا ہے۔

اثنائے محاصرہ میں خوارج کی ایک جماعت نافع بن ازرق اور نجدہ بن عامر

کی سرکردگی میں مکہ آئی۔ یہ لوگ یزید کے مخالف تو تھے ہی لیکن ابنِ زبیرؓ کے حامی بھی نہیں تھے تاہم وہ انہیں یزید سے بہتر سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ابنِ زبیرؓ ان کی ہمنوائی کریں تو وہ یزیدی لشکر کے مقابلے میں اس نازک وقت میں ان کی مدد کریں گے۔ نافع اور نجدہ ابنِ زبیرؓ سے ملے اور ان کو پیشکش کی کہ اگر آپ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور اپنے والد حضرت زبیرؓ سے بیزاری کا اظہار کریں اور ان کی مذمت کریں تو ہماری سرفروش جماعت آپ کی حمایت میں شامی لشکر سے لڑنے کے لیے تیار ہے۔ حضرت ابنِ زبیرؓ نے ان بزرگوں کی مذمت کرنے سے صاف انکار کر دیا اور ان کے تمام دلائل کا دندان شکن جواب دے کر آخر میں فرمایا:۔

”بلاشبہ اس وقت تمہاری امداد ہمارے لیے بڑی قدر و منزلت رکھتی ہے لیکن مجھے نہ حکومت کی آرزو ہے اور نہ فتح و شکست کا خیال۔ میں تو حق و صداقت کے لیے لڑ رہا ہوں۔ اگر میرے ساتھ مل کر شامیوں کا مقابلہ کرو گے تو اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا اور اگر تم میری مدد نہ کرو گے تو مجھے اللہ کافی ہے۔ مجھے تو اس کی بھی پروا نہیں کہ تم میرے دشمنوں سے جا ملو۔“

ان کا جواب سن کر خوارج مایوس ہو گئے اور واپس چلے گئے۔

مکہ کا محاصرہ ابھی جاری تھا کہ ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو یزید نے وفات پائی۔ اس کی وفات کی خبر مکہ پہنچی تو حصین بن نمیر نے محاصرہ اٹھا لیا۔ ایک روایت کے مطابق محاصرہ ختم ہونے کے بعد حصین بن نمیر کی درخواست پر حضرت ابنِ زبیرؓ نے حرم کے دروازے کھول دیئے اور شامی بلا روک ٹوک طواف کرنے لگے۔ اسی دوران میں حصین اور ابنِ زبیرؓ کی ملاقات ہو گئی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ کوچ سے پہلے حصین نے حضرت ابنِ زبیرؓ کو پیغام بھیجا کہ میں رات کو بطح کے مقام پر آپ سے تخلیہ میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ دس آدمی میرے ساتھ ہوں گے اور دس آپ اپنے ساتھ لے آئیں۔ جتنی دیر تک ہم گفتگو کریں گے یہ آدمی الگ بیٹھے رہیں گے۔ بہرصورت دونوں کی ملاقات ہوئی تو حصین نے ابنِ زبیرؓ سے کہا، یزید فوت ہو چکا اب میری نظر میں آپ سے

بڑھ کر خلافت کا کوئی حقدار نہیں، میں اور میرے ساتھی آپ کی بیعت کے لیے تیار ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ شام چلیں، میں تمام اہلِ شام کو آپ کی بیعت پر آمادہ کروں گا، اہلِ حجاز پہلے ہی آپ کے ساتھ ہیں۔ اہلِ شام کی بیعت کے بعد تمام عالمِ اسلام آپ کو خلیفہ تسلیم کرلے گا۔ اب تک ہمارے درمیان جو خونریزی ہوئی، اسے آپ معاف کردیں۔

ابنِ زبیرؓ نے حصین بن نُمیر کی پیشکش کو ٹھکرا دیا اور باآوازِ بلند بولے:

"اہلِ مدینہ اور اہلِ مکہ کا خون معاف کرنا میرے لیے ممکن نہیں واللہ جب تک ایک ایک حجازی کے قصاص میں دس دس شامیوں کے سر قلم نہ کرالوں گا، تم سے مفاہمت نہ کروں گا۔"

حصین نے مایوس ہو کر کہا۔ "میرا خیال تھا کہ آپ مدبرینِ عرب میں سے ہیں لیکن اب معلوم ہوا کہ میں غلطی پر تھا، میں آپ کو خلافت کی طرف بلاتا ہوں اور آپ مجھے جنگ کی دھمکی دیتے ہیں، میں آہستہ بولتا ہوں اور آپ باآوازِ بلند بات کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر حصین اپنے لشکر میں واپس چلا گیا اور دوسرے دن شام روانہ ہوگیا۔

(۷)

محاصرہ کے دوران میں کعبہ کی عمارت کو خاصا نقصان پہنچا تھا۔ حصین کی واپسی کے بعد حضرت ابنِ زبیرؓ نے خانۂ کعبہ کو ازسرِ نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا، اس کے لیے ضروری تھا کہ پہلے پرانی عمارت بالکل گرادی جائے لیکن کسی کو یہ کام کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی بالآخر ابنِ زبیرؓ خود خدا کا نام لے کر دیوار پر چڑھ گئے اور ایک پتھر اکھاڑ کر گرادیا۔ ان کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اس کام میں شریک ہوگئے۔ جب ساری دیواریں گر گئیں تو بنیادوں کی کھدائی شروع ہوگئی۔ ابنِ زبیرؓ نے حطیم کا چھوٹا ہوا حصہ بھی کعبہ کی حدود میں شامل کردیا اور نئی عمارت کی اس طرح تعمیر کی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے۔ انہوں نے اس کام پر دل کھول کر روپیہ صرف کیا اور بڑی ہمت اور ایثار سے کام لیا۔ جس دن وہ اس کام سے فارغ ہوئے انہوں نے نئی عمارت کو اندرونی اور

بیرونی جانب سے اوپر سے نیچے تک مشک اور عنبر سے لسوایا اور اس پر دیباج کا غلاف چڑھایا۔ شکرانہ کے طور پر انہوں نے بہت سے غلام آزاد کیے اور بہت سے اونٹ اور بکریاں ذبح کیں پھر وہ قریش کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ برہنہ پا گھر سے نکلے اور مقامِ تنعیم میں پہنچ کر عمرہ کا احرام باندھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق ابراہیمی بنیاد پر کعبہ کو تعمیر کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے حجرِ اسود پر چاندی چڑھوائی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آتشباری اور سنگ باری سے اس میں دراڑ پڑ گئی تھی، ابنِ زبیرؓ نے اس کو چاندی سے بندھوا دیا۔

اُدھر شام میں یزید کی موت کے بعد اس کا بیٹا معاویہ تخت نشین ہوا۔ وہ ایک دیندار اور نرم مزاج آدمی تھا اور حکومت کے جھمیلے میں پڑنا پسند نہیں کرتا تھا اس لیے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خلافت سے دست بردار ہو گیا۔ اب سارے حجاز، عراق، مصر اور جنوبی عرب نے ابن زبیرؓ کی خلافت تسلیم کر لی یہاں تک کہ شام میں موجود مخالفین بنو اُمیہ نے بھی ان کو خلیفہ مان لیا۔ اس زمانہ میں ابنِ زبیرؓ سے ایک سیاسی غلطی ہو گئی۔ انہوں نے مدینہ منورہ سے بنو اُمیہ کے عمال کو نکالا تو ساتھ ہی بنو اُمیہ کے دوسرے عمائد کو بھی جبراً وہاں سے نکال دیا، ان میں مروان بن الحکم اور اس کا بیٹا عبدالملک بھی شامل تھے۔ یہ لوگ دمشق پہنچے تو وہاں بدنظمی کی کیفیت تھی۔ بالآخر بنو اُمیہ کے تمام بااثر حامیوں نے جابیہ میں جمع ہو کر مروان کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ مروان تیرہ ہزار اموی جنگجوؤں کے ساتھ "مرجِ راہط" کی طرف بڑھا جہاں ضحاک بن قیسؓ کی قیادت میں ابنِ زبیرؓ کی حامی فوج خیمہ زن تھی۔ دونوں فوجوں میں خونریز لڑائی ہوئی جس میں اُموی فوج کا پلہ بھاری رہا۔ اس طرح پورے شام پر بنو اُمیہ کا تسلط بحال ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی مروان نے عمرو بن سعید بن عاص کی سرکردگی میں ایک فوج مصر بھیج دی۔ ابنِ زبیرؓ کے عاملِ مصر عبدالرحمٰن بن حجدم تابِ مقاومت نہ لا کر سکے اور مصر عمرو بن سعید کے حوالے کر دیا۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ حجاز اور عراق پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا قبضہ تھا اور شام و مصر پر مروان کی حکومت تھی۔ مروان کو زیادہ مدت تک حکومت

کرنا نصیب نہ ہوا اور وہ رمضان ۶۵ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک مسندِ حکومت پر بیٹھا۔

(۸)

اسی زمانہ میں معرکہ جسر (۱۳ھ) کے شہید سپہ سالار ابو عبید ثقفیؒ کے بیٹے مختار ثقفی نے عراق پر قبضہ کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کیے۔ اس نے "قصاصِ حسینؓ" کا عَلَم بلند کیا اور کوفہ کو اپنی تحریک کا مرکز بنایا۔ عراق میں موجود بنو امیہ کے تمام مخالفین اس کے ساتھ مل گئے اور انہوں نے ابنِ زبیرؓ کی طرف سے کوفہ کے حاکم عبداللہ بن مطیع کو بزور وہاں سے نکال دیا۔ اس طرح کوفہ اور اس کے ساتھ ہی سارے عراق پر (سوائے بصرہ کے) مختار بن ابی عبید کا قبضہ ہو گیا۔ اب اس نے شمشیرِ انتقام بے نیام کی اور ان تمام لوگوں کو چن چن کر قتل کیا جنھوں نے واقعہ کربلا میں حصہ لیا تھا یا بنو امیہ کی مدد کی تھی۔ ان میں شمر ذی الجوشن، حرملہ بن کامل، خولی بن یزید، عمر بن سعد، زیاد بن مالک، عبداللہ بن قیس اور عثمان بن خالد جیسے بیسیوں لوگ شامل تھے۔ اس کے بعد اس نے ایک لشکر ابراہیم بن مالک اشتر کی سرکردگی میں عبیداللہ بن زیاد کی سرکوبی کے لیے موصل کی طرف روانہ کیا۔ اربل اور موصل کے درمیان نہر خازر کے کنارے اس لشکر کی مڈبھیڑ ابن زیاد کے لشکر سے ہوئی۔ ابراہیم بن مالک اشتر نے ابن زیاد کو بری طرح شکست دی اور اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔

اگر مختار اپنی تحریک کو صرف قاتلانِ حسینؓ سے انتقام لینے تک محدود رکھتا تو کچھ اور بات تھی لیکن اس نے بیک وقت ابنِ زبیرؓ اور بنو امیہ دونوں کے اقتدار کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کر دی اور اپنے بعض فاسد خیالات و عقائد بھی لوگوں میں پھیلانے شروع کر دیئے۔ جہاں تک بنو امیہ کا تعلق ہے، ابنِ زیاد کو شکست دینے کے بعد مختار کی ان سے براہِ راست کوئی ٹکر نہ ہوئی البتہ ابن زبیرؓ سے اس کی کشمکش میں شدت پیدا ہو گئی۔ ادھر ابنِ زبیرؓ کو شبہ ہوا کہ مختار کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور محمد بن حنفیہؒ کی سرپرستی یا حمایت حاصل ہے، انہوں نے ازراہِ احتیاط ان دونوں بزرگوں کو نظر بند کر دیا۔ مختار کو

خبر ہوئی تو اس نے ایک فوج مکہ بھیج کر ان کو نظر بندی سے رہائی دلائی اور وہ دونوں وہاں سے طائف چلے گئے۔ مختار اپنے خروج کے اٹھارہ ماہ بعد تک عجمیوں کے بل پر بنو اُمیہ اور ابنِ زبیرؓ کا کامیاب مقابلہ کرتا رہا۔ اس دوران میں اس نے کوفہ کے عربوں پر اس قدر سختی کی کہ وہ اس کے خلاف ہو گئے اور ان کے بہت سے اشراف کوفہ کی سکونت ترک کر کے بصرہ چلے گئے جہاں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے چھوٹے بھائی مصعب بن زبیرؓ حاکم تھے۔ ان لوگوں نے مصعب کو کوفہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ مصعب نے اپنے دَور کے نامور جرنیل مُہلّب بن ابی صفرہ کو بصرہ بلا بھیجا۔ اس وقت وہ خوارج سے برسرِ پیکار تھے اور ابنِ زبیرؓ کی طرف سے فارس کے گورنر تھے۔ انہوں نے خوارج سے ایک معیّنہ مدت کے لیے صلح کر لی اور ایک طاقتور لشکر لے کر بصرہ پہنچ گئے۔

اب مصعب بن زبیرؓ پوری طرح تیار ہو کر کوفہ کی طرف بڑھے۔ مختار نے بھی مقابلہ کے لیے زبردست تیاری کر رکھی تھی۔ فریقین کی فوجوں میں دو تین خونریز معرکے ہوئے جن میں مختار نے شکست کھائی اور بالآخر کوفہ کے دار الامارۃ میں محصور ہو کر بیٹھ گیا۔ مصعب نے محاصرہ میں اس قدر سختی برتی کہ چالیس دن کے بعد اسے باہر آنا پڑا۔ اس وقت اس کے ساتھ صرف انیس آدمی تھے۔ یہ سب مختار سمیت مصعب کی فوج سے لڑتے ہوئے مارے گئے۔ اس طرح ابنِ زبیرؓ کے ایک بڑے دشمن کا خاتمہ ہو گیا اور عراق پر ان کا اقتدار بحال ہو گیا۔

⑨

مختار کی زندگی میں ابنِ زبیرؓ اور بنو اُمیہ دونوں اس کو اپنا سب سے بڑا حریف سمجھتے رہے۔ اس کے قتل کے بعد عبدالملک اور ابنِ زبیرؓ ایک دوسرے کے سامنے آ گئے اور دونوں میں کشمکش کا آغاز ہو گیا۔ سب سے پہلے عبدالملک ایک مضبوط فوج کے ساتھ قرقیسیا کی طرف بڑھا جہاں حضرت ابنِ زبیرؓ کی طرف سے زفر بن حارث والی تھے۔ زفر نے عبدالملک کا نہایت پامردی سے مقابلہ کیا لیکن بالآخر انہوں نے عبدالملک سے صلح کر لی اور اپنی لڑکی کا نکاح اس کے بیٹے مسلمہ سے کر دیا۔ اب عبدالملک نے ایک

لشکرِ جرار کے ساتھ عراق کا رُخ کیا۔ اس کے عراق پہنچنے سے پہلے مصعب بن زبیرؓ مہلب بن ابی صفرہ کو فارس اور عبداللہ بن حازم کو خراسان بھیج چکے تھے۔ اس طرح ان کے پاس عبدالملک کے مقابلے میں بہت کم فوج رہ گئی تھی تاہم انہوں نے ہمت نہ ہاری اور "دیر جاثلیق" کے مقام پر اموی لشکر کا پُرزور مقابلہ کیا۔ عبدالملک نے مصعب کو امان کی پیشکش کی لیکن انہوں نے اسے قبول نہ کیا اور نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے میدانِ جنگ میں کام آئے۔ مصعب کے قتل کے بعد عراق پر عبدالملک کا تسلط قائم ہوگیا۔ اب اس نے مکہ معظمہ پر فوج کشی کی تیاری شروع کردی۔ "مستدرک حاکم" میں ہے کہ ایک دن اس نے تمام عمائد بنی اُمیہ اور اپنے دوسرے ہوا خواہوں کو جمع کیا اور منبر پر چڑھ کر کہا :۔

"تم میں سے کون ابنِ زبیر کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھاتا ہے؟"

عبدالملک کے سوال پر حجاج بن یوسف ثقفی نے اٹھ کر کہا :۔

"امیر المؤمنین یہ کام میرے سپرد کیجیے۔"

عبدالملک نے تین مرتبہ اپنا سوال دہرایا اور تینوں مرتبہ حجاج ہی نے اس کام کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا اور کہا، میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک ڈھال میں نے چھین کر لگالی ہے۔

آخر عبدالملک نے یہ مہم حجاج کے سپرد کی اور اسے حکم دیا کہ فی الحال اہلِ مدینہ سے کوئی تعرض نہ کرنا اور سیدھے طائف پہنچ کر قیام کرنا وہاں سے چھوٹے چھوٹے دستے مکہ معظمہ پر حملہ کے لیے روانہ کرتے رہنا تاکہ ابنِ زبیرؓ کی طاقت خوب کمزور ہو جائے اس کے بعد اگر مزید فوج کی ضرورت ہوئی تو مجھے لکھنا۔

حجاج نے ان احکام پر عمل کرنے کا عہد کیا اور تین ہزار سواروں کے ساتھ طائف پہنچ کر قیام کیا۔ ابنِ زبیرؓ کو ان حالات کا علم ہوا تو انہوں نے بھی مکہ کی حفاظت کے انتظامات کرلیے۔ حجاج کے سوار وقتاً فوقتاً مکہ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے لیکن ابنِ زبیرؓ کے آدمی ان کو بھگا دیتے۔ جب کئی مہینے اسی طرح گزر گئے تو حجاج نے

عبدالملک سے مدد طلب کی اور ساتھ ہی مکہ کا محاصرہ کرنے کی اجازت مانگی۔ عبدالملک نے فوراً پانچ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل ایک فوج حجاج کی مدد کے لیے روانہ کر دی، اور اسے مکہ کی طرف بڑھنے کی اجازت دے دی۔ حجاج نے کمک پہنچتے ہی آگے بڑھ کر مکہ کا محاصرہ کر لیا اور کوہ ابوقبیس پر منجنیقیں لگا کر شہر اور بیت اللہ الحرام پر پتھر اور آگ کے گولے برسانے شروع کر دیئے۔ یہ محاصرہ یکم ذیقعدہ ۷۲ھ ہجری (۲۵ مارچ ۶۹۲ء) کو شروع ہوا اور سات ماہ سے بھی کچھ زائد مدت تک جاری رہا۔ اس دوران میں شہر اور بیت اللہ شریف برابر سنگباری اور آتش باری کی زد میں رہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بڑے استقلال اور عزم و ہمت کے ساتھ اس محاصرے کا مقابلہ کیا۔ پتھروں اور آگ کی بارش میں بھی وہ نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے تھے لیکن غضب یہ ہوا کہ شہر میں خوراک کی شدید قلت پیدا ہو گئی اور ابن زبیرؓ کے ساتھی محاصرے کی سختی اور بھوک کی تکلیف سے عاجز آ کر ان کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ دس ہزار آدمی ابن زبیرؓ کا ساتھ چھوڑ کر حجاج کی پناہ میں چلے گئے۔ ان میں ابن زبیرؓ کے دو بیٹے حمزہ اور خبیب بھی شامل تھے۔ صرف ایک بیٹے زبیر نے آخری دم تک ان کا ساتھ دیا۔

اسی زمانے میں ایک دن حضرت عبداللہؓ اپنی بوڑھی والدہ حضرت اسماءؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (اس وقت حضرت اسماءؓ کی عمر سو سال سے اوپر تھی اور ان کی بصارت زائل ہو چکی تھی)۔ حضرت عبداللہؓ نے پوچھا :۔

"اماں جان آپ کا کیا حال ہے۔"

حضرت اسماءؓ :۔ میرا حال کیا پوچھتے ہو، بینائی زائل ہو چکی ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ :۔ اماں جان! موت میں بڑی راحت ہے۔

حضرت اسماءؓ :۔ بیٹے میں تمہارا انجام دیکھ کر مرنا چاہتی ہوں تاکہ اگر تمہیں شہادت نصیب ہو تو اپنے ہاتھ سے تمہارا کفن دفن کروں اور اگر تم فتح پاؤ تو میرا دل ٹھنڈا ہو۔

حضرت عبداللہؓ ہنس پڑے اور چلے گئے۔ دس دن بعد وہ آخری سلام کے لیے ان کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے۔ اس وقت وہ مسجدِ حرام میں تشریف فرما تھیں۔ حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا :۔

"اماں جان! محاصرے کو سات ماہ گزر چکے ہیں۔ میرے فرزند زبیر اور گنتی کے چند آدمیوں کے سوا سب لوگ میرا ساتھ چھوڑ کر حجاج کے پاس چلے گئے ہیں۔ وہ مجھے بھی امان دینے کے لیے تیار ہے اور عبدالملک نے بھی وعدہ کیا ہے کہ جو طلب کروں گا وہ دے گا، فرمائیے ایسی حالت میں آپ کا کیا حکم ہے؟"

حضرت اسماءؓ :۔ بیٹے، تم اپنے معاملے کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہو، اگر تم حق پر ہو تو جاؤ، جس راہ میں تمہارے ساتھیوں نے جانیں دیں تم بھی اسی راہ پر چل کر جان دے دو اور اگر تم ناحق لڑے تو بہت برا کیا، مسلمانوں کا خون بہایا، ساتھیوں کی جانیں گنوائیں اور خود بھی ہلاک ہوئے۔

حضرت عبداللہؓ :۔ اماں جان! میں حق وصداقت کے لیے لڑا اور حق وصداقت کے لیے ساتھیوں کو لڑایا۔ صرف بدلی ہوئی صورتِ حال سے آپ کو آگاہ کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

حضرت اسماءؓ :۔ اگر تم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہو لیکن اب حامیوں کے نہ ہونے اور حالات کی ناسازگاری کے باعث دشمنوں کے سامنے جھکنا چاہتے ہو تو یہ شریفوں اور دینداروں کا شیوہ نہیں۔

حضرت عبداللہؓ :۔ اماں جان! میں موت سے نہیں ڈرتا، صرف یہ خیال ہے کہ دشمن میری موت کے بعد میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے اور انہیں سولی پر لٹکائیں گے۔

حضرت اسماءؓ :۔ بیٹے جب بکری ذبح کر ڈالی جائے تو پھر اس کی کھال کھینچی جائے یا اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کیے جائیں اسے کیا پروا؟ تم اللہ پر بھروسا

کر کے نکلو، موت کے خوف سے غلامی کی ذلّت قبول نہ کرنا، خدا کی قسم عزت کی موت ذلّت کی حکومت سے اچھی ہے اور راہِ حق میں تلواروں سے قیمہ ہونا گمراہوں کی غلامی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

اپنی جلیل القدر والدہ کے یہ حوصلہ افزا کلمات سُن کر حضرت عبداللہؓ پر رِقت طاری ہوگئی۔ انہوں نے فرطِ محبت سے ان کا سر چوم لیا اور پھر کہا :۔

"اماں جان، میرا بھی یہی ارادہ تھا کہ حق کی راہ میں مردانہ وار لڑ کر جان دوں لیکن میں چاہتا تھا کہ آپ کی رائے بھی لے لوں تاکہ میرے مرنے کے بعد آپ رنج وغم نہ کریں۔ الحمدللہ کہ میں نے آپ کو اپنے سے بڑھ کر ثابت قدم پایا۔ آپ کی باتوں نے میرے ایمان کو طاقت اور میرے ایقان کو تقویت عطا کی ہے۔ میں آج ضرور قتل ہو جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میرے قتل کے بعد بھی اسی طرح صبر وشکر سے کام لیں گی۔ بخدا میں نے کبھی برائی کو پسند نہ کیا، کسی مسلمان پر ظلم نہ کیا، نہ کوئی عہد توڑا، نہ امانت میں خیانت کی۔ اگر میرے کسی عامل نے بے جا ظلم کیا تو میں نے اس کی حوصلہ شکنی کی۔ بجز رضائے الٰہی کے مجھے کسی شے کی خواہش نہیں۔"

پھر انہوں نے آسمان کی جانب نگاہ کی اور کہا :۔

"اے اللہ میں نے یہ باتیں ازراہِ فخر نہیں کیں بلکہ اپنی والدہ کے اطمینان کے لیے کہی ہیں۔"

حضرت اسماءؓ نے فرمایا، جاؤ بیٹے اللہ کی راہ میں جان دو، انشاءاللہ میں صابر وشاکر رہوں گی۔ اب آگے آؤ تاکہ میں آخری بار تمہیں پیار کر لوں۔

حضرت عبداللہؓ آگے بڑھے اور حضرت اسماءؓ نے انہیں گلے لگا لیا۔ ان کا ہاتھ حضرت عبداللہؓ کی زرہ پر پڑا تو پوچھا، بیٹے یہ تمہارے جسم پر کیا ہے؟

ابنِ زبیرؓ :۔ اماں جان! یہ زرہ ہے تاکہ دشمن کی تلوار اور حربہ سے بچاؤ ہو۔

حضرت اسماءؓ :۔ بیٹے! اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے لیے نکلتے ہو اور ان عارضی

چیزوں کا سہارا لیتے ہو۔

ابن زبیرؓ نے اسی وقت زرہ اتار دی اور خود بھی اتار کر پھینک دیا۔ پھر معمولی لباس پہن لیا اور سر پر سفید رومال باندھ لیا۔ والدہ کو اس سے آگاہ کیا تو انھوں نے فرمایا، اب میں خوش ہوں، جاؤ اللہ کے رستے میں لڑو اور اس کے ہاں اسی لباس میں جاؤ۔

(۱۰)

ماں سے رخصت ہو کر حضرت عبداللہؓ نے قمیص کے دامن اٹھا کر کمر سے باندھ لیے۔ دونوں آستینیں چڑھالیں اور دونوں ہاتھوں میں تلواریں پکڑ کر رزمگاہ میں پہنچے۔ اس وقت گنتی کے چند فداکار ان کے ساتھ تھے جن میں ان کا فرزند زبیر ایک پہلو میں اور ابن صفوان دوسرے پہلو میں تھے۔ ابن زبیرؓ اور ان کے ساتھی جس طرف رُخ کرتے تھے شامی فوج کائی کی طرح پھٹ جاتی تھی۔ ابن زبیرؓ اگرچہ بہتر برس کے پیٹے میں تھے لیکن شجاعت اور بے خوفی میں اپنی مثال آپ تھے۔ دونوں ہاتھوں سے تلوار چلاتے دشمن کی صفوں میں دور تک گھس گئے اور پھر پلٹ کر اپنے ساتھیوں سے آملے۔ ان کے ساتھی ایک ایک کر کے شہید ہو گئے تو کسی نے ان سے کہا، آپ اجازت دیں تو میں کعبہ کا دروازہ کھول دوں تاکہ آپ اس میں داخل ہو جائیں اور دشمن کی زد سے محفوظ ہو جائیں۔ اس وقت ابن زبیرؓ کی زبان پر یہ رجزیہ شعر جاری ہو گئے :۔

ولست بمبتاع الحياة بسبة   ولا مرتق من خشية الموت سلما

انافس سهما انه غير بارح   ملاقى المنايا اى حرف تيمما

(میں ذلت اختیار کر کے زندگی کو مول لینے والا نہیں اور موت کے ڈر سے سیڑھیوں پر چڑھنے والا نہیں۔

میں ایسے تیر کی رغبت کرتا ہوں جو جدا ہونے والا نہیں اور موت سے ملاقات کرنے والا کونسی جانب قصد کر سکتا ہے)

اس کے بعد وہ شیر کی طرح شامیوں پر ٹوٹ پڑے اور ظہر تک نہایت بے جگری سے

لڑتے رہے۔ اس اثناء میں انہیں کئی زخم لگ چکے تھے لیکن ان کی جبین ہمت پر شکن تک نہ آئی۔ ایک موقع پر کسی سیاہ فام شخص نے ان کو گالی دی تو آگے بڑھ کر اس پر تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ آخر ایک شامی نے ایک پتھر ان کے سر پر دے مارا جس سے شدید زخم آیا اور سر اور ماتھے سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ شعر جاری تھا:۔

فَلَسْنَا عَلَى الْاَعْقَابِ تَدْمِیْ کُلُوْمُنَا
وَلٰکِنْ عَلٰى اَقْدَامِنَا تَقْطُرُ الدِّمَاء

(ہم وہ نہیں جن کی ایڑیوں پر پشت پھیرنے کی وجہ سے خون گرتا ہے بلکہ سینہ سپر ہونے کی وجہ سے ہمارے قدموں پر خون ٹپکتا ہے۔)

خون زیادہ نکل جانے کی وجہ سے بے انتہا نقاہت ہو گئی تھی اسی حالت میں شامیوں نے نرغہ کر کے ان پر تلواروں کی بارش کر دی، اس طرح حواری رسولؐ اور ذات النطاقینؓ کا نورِ نظر اور اپنے دور کا شجاع ترین انسان شہید ہو کر فرشِ خاک پر گر گیا۔ شامیوں نے فوراً ان کا سر کاٹ لیا۔

حجاج بن یوسف کو حضرت ابنِ زبیرؓ کی شہادت سے آگاہ کیا گیا تو وہ بے حد خوش ہوا۔ اس نے ان کا سر عبدالملک کے پاس دمشق بھجوا دیا اور لاش ایک بلند مقام پر سولی پر لٹکوا دی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ادھر سے گزر ہوا تو وہ یہ منظر دیکھ کر سخت رنجیدہ ہوئے اور تین مرتبہ لاش کو خطاب کر کے یہ الفاظ کہے:۔

"ابو خبیب، السلام علیک! خدا کی قسم تم بڑے نمازی اور روزہ دار آدمی تھے۔ یہ الگ بات ہے تم نے دنیا کو اس کی حیثیت سے زیادہ وقعت دی حالانکہ وہ اس وقعت کی اہل نہ تھی، وہ جماعت جس کے گئے گزرے فرد تم تھے بڑی ہی عالی قدر جماعت تھی۔"

شہادت کے تیسرے دن حضرت اسماءؓ مقام حجون تشریف لے گئیں جہاں ابنِ زبیرؓ کی لاش لٹکی ہوئی تھی۔ اتفاق سے اس وقت حجاج بھی وہاں موجود تھا، حضرت اسماءؓ

کو بتایا گیا کہ حجاج آپ کے قریب کھڑا ہے تو انہوں نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا :-

"کیا اس سوار کے اترنے کا وقت ابھی نہیں آیا ؟"

حجاج :- وہ ملحد تھا اس کی یہی سزا تھی۔

حضرت اسماءؓ :- خدا کی قسم وہ ملحد نہیں تھا روزے رکھتا تھا، نمازیں پڑھتا تھا اور پرہیز گار تھا۔

حجاج :- بڑی بی یہاں سے چلی جاؤ تمہاری عقل سٹھیا گئی ہے۔

حضرت اسماءؓ :- میری عقل نہیں سٹھیا گئی۔ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بنو ثقیف میں ایک کذّاب اور ایک سفّاک پیدا ہو گا۔ سو کذّاب (یعنی مختار ثقفی) کو تو ہم نے دیکھ لیا اور سفّاک سو وہ تو ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حجاج نے سنا کہ حضرت ابن عمرؓ نے ابن زبیرؓ کی تعریف کی ہے تو اس نے ان کی لاش کو سولی سے اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینکوا دیا۔ اور حضرت اسماءؓ کو بلا بھیجا۔ انہوں نے آنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حجاج برافروختہ ہو گیا اور پھر پیغام بھیجا کہ فوراً چلی آؤ ورنہ چوٹی پکڑ کر گھسٹواؤں گا۔ انہوں نے نہایت بے باکی سے جواب دیا، خدا کی قسم اس وقت تک نہ آؤں گی جب تک تو چوٹی پکڑ کر گھسٹوا نہ لے گا۔ یہ جواب سُن کر حجاج خود ان کے پاس گیا اور کہا :-

"سچ کہنا خدا کے دشمن کا کیا انجام ہوا۔"

حضرت اسماءؓ نے فرمایا : "ہاں تو نے اس کی دنیا خراب کی لیکن اس نے تیری آخرت برباد کر دی۔ تو میرے بیٹے کو طنزاً ابن ذات النطاقین کہتا تھا تو خدا کی قسم میں ہی ذات النطاقین ہوں، یہ معزز لقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس وقت دیا تھا جب میں نے (ہجرت کے موقع) آپ کا کھانا چیونٹیوں سے بچانے کے لیے اپنے نطاق سے ڈھانکا تھا، میں نے آپؐ سے سنا ہے کہ بنی ثقیف میں ایک کذّاب اور ایک ظالم ہو گا، کذّاب کو تو ہم نے دیکھ لیا تھا اور ظالم تو ہے۔"

حضرت اسماءؓ کی بے باکانہ گفتگو سن کر حجاج چپکے سے لوٹ گیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ عبدالملک کو کسی ذریعے سے اطلاع ملی کہ حجاج نے ابن زبیرؓ کی لاش حضرت اسماءؓ کے حوالے نہیں کی تو اس نے حکم بھیجا کہ فوراً ان کی لاش حضرت اسماءؓ کے سپرد کر دو۔ چنانچہ حجاج نے حضرت ابن زبیرؓ کی لاش ان کی غمزدہ ماں کے سپرد کر دی۔ انہوں نے اسے غسل دلا کر حجون میں سپردِ خاک کر دیا۔

علامہ شبلی نعمانی نے یہ واقعہ اس طرح نظم کیا ہے:

مسند آرائے خلافت جو ہوئے ابن زبیرؓ — سب نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھائے یکبار
ابنِ مروان نے حجاج کو بھیجا پئے جنگ — جس کی تقدیر میں سرغانِ حرم کا تھا شکار
حرمِ کعبہ میں محصور ہوئے ابن زبیرؓ — فوج بے دین نے کیا کعبۂ ملت کا حصار
دامنِ عرش ہوا جاتا تھا آلودۂ گرد — بارشِ سنگ سے اٹھتا تھا جو رہ رہ کے غبار
تھا جو سامانِ رسد چار طرف سے مسدود — ہر گلی کوچہ بنا جاتا تھا اک گنجِ مزار
جب یہ دیکھا کہ کوئی ناصر و یاور نہ رہا — ماں کی خدمت میں گئے ابن زبیرؓ آخرکار
جا کے کی عرض کہ اے اختِ حریمِ نبوی — نظر آتے نہیں اب حرمتِ دیں کے آثار
آپ فرمائیے اب آپ کا ارشاد ہے کیا؟ — کہ میں ہوں آپ کا اک بندۂ فرمانبردار
صلح کر لوں کہ چلا جاؤں حرم سے باہر — یا یہیں رہ کے اسی خاک پہ ہو جاؤں نثار
بولی وہ پردہ نشینِ حرم سترِ عفاف — حق پہ گر تو ہے تو پھر صلح ہے مستوجبِ عار
یہ زمیں ہے وہی قربانِ گہِ اسماعیلؑ — فدیۂ نفس ہے خود دینِ خلیلی کا شعار
ماں سے رخصت ہوئے یہ کہہ کے باآدابِ نیاز — آپ کے دودھ سے شرمندہ نہ ہوں گا زنہار
پہلے ہی حملہ میں دشمن کی الٹ دیں فوجیں — جس طرف جاتے تھے یہ، ٹوٹتی جاتی تھی قطار
منجنیقوں سے برستے تھے جو پتھر پیہم — ایک پتھر نے کیا آ کے سر و رخ کو فگار[1]
خون ٹپکا جو قدم پر تو کہا ازرہِ فخر — یہ ادا وہ ہے کہ ہم ہاشمیوں کا ہے شعار[2]

---

[1] جمہور مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہؓ کسی شامی کے پتھر سے زخمی ہوئے تھے منجنیق کے پتھر سے نہیں۔

[2] حضرت عبداللہؓ، ہاشم کے چچازاد بھائی اسد بن عبدالعزیٰ کی اولاد سے تھے۔

اس گھرانے نے کبھی پشت پہ کھایا نہیں زخم
زخم کھا کھا کے لڑے جاتے تھے لیکن کب تک
لاش منگوا کے جو حجاج نے دیکھی تو کہا
لاش لٹکی رہی سولی پہ کئی دن لیکن
اتفاقات سے اک دن جو ادھر جا نکلیں

خون ٹپکے گا تو ٹپکے گا قدم پر ہر بار
آخر الامر گرے خاک پہ مجبور و نزار
اس کو سولی پہ چڑھاؤ کہ یہ تھا قابل دار
ان کی ماں نے نہ کیا رنج و الم کا اظہار
دیکھ کر لاش کو بے ساختہ بولیں یکبار

ہو چکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے یہ خطیب
اپنے مرکب سے اترتا نہیں اب بھی یہ سوار

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کی شہادت کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ان کی جلیل القدر والدہ حضرت اسماءؓ نے بھی وفات پائی۔

(۱۱)

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کا شمار ان صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے جو علم و فضل کے اعتبار سے بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ اگرچہ ان کو فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہونے کا زیادہ موقع نہ ملا لیکن انہوں نے حضرت زبیرؓ بن العوام (والد) حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر صدیقؓ (والدہ) حضرت ابوبکر صدیقؓ (نانا) اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ (خالہ) جیسی عظیم المرتبت ہستیوں کی آغوشِ تربیت میں پرورش پائی اس لیے مختلف دینی علوم میں درجۂ تبحر حاصل کر لیا۔

قرآنِ حکیم جو اسلام کے تمام علوم و معارف کا سرچشمہ ہے، حضرت ابن زبیرؓ اس کے بہت بڑے عالم اور قاری تھے۔ وہ کبھی کبھی قرآنِ حکیم کی تفسیر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان سے بعض آیتوں کی تفسیر صحیح بخاری میں منقول ہے۔ قرأتِ قرآن سے ان کو خاص شغف تھا۔ حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کی قرأتِ قرآن کے مداح تھے اور ان کو "قاری للقرآن" کہا کرتے تھے۔ ۳۰ ہجری میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے قرآنِ حکیم کی نقل کرنے کا کام جن صحابۂ کرامؓ کے سپرد کیا ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے تینتیس ۳۳ احادیث مروی ہیں۔ ان میں دو متفق علیہ ہیں، ۶ میں بخاری اور ۲ میں مسلم منفرد ہیں۔ ان کی مرویات کا زیادہ حصہ خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہے۔ حضورؐ کے علاوہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری سے بھی روایت کی ہے۔ ان کے تلامذہ میں حضرت عروہ بن زبیرؒ، طاؤسؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، ابن ابو ملیکہ، ثابت بن اسلم بنانیؒ، محمد بن منکدرؒ، عبادؒ، ہشامؒ، ابو الشعثاءؒ اور ابو الذبیانؒ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

تفقہ فی الدین کے لحاظ سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مدینہ کے فقہائے صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ وہ لوگوں کو فقہی مسائل بتایا کرتے تھے اور ان کو سنّت پر چلنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اپنے فضل و کمال کے باوجود حضرت ابنِ زبیرؓ اپنے معاصرین سے دینی و علمی مسائل میں استفادہ کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ جس مسئلہ کا علم نہ ہوتا بلا تکلف ان سے پوچھ لیتے تھے۔ اگر ان کی رائے وقیع معلوم ہوتی تو اسی کے مطابق عمل کرتے تھے۔

"مستدرکِ حاکم" میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو عربی کے علاوہ دوسری متعدد زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا۔ ان کے پاس مختلف قوموں اور نسلوں کے بہت سے غلام تھے اور ان کی زبانیں بھی مختلف تھیں۔ ابنِ زبیرؓ ان سب سے ان کی مادری زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ بعض مؤرخین کا قول ہے کہ حضرت ابنِ زبیرؓ کو سات غیر ملکی زبانوں میں مہارت حاصل تھی۔

حضرت ابنِ زبیرؓ کو خطابت میں بھی کمال حاصل تھا۔ ان کے خطبے جہاں حسنِ گفتار اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بہت بلند پایہ ہوتے تھے وہاں لہجے کی رفعت و جلالت اور آواز کی بلندی میں بھی بہت کم لوگ ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتے تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔

•

(۱۲)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا معدنِ اخلاق بڑے گرانمایہ جواہر سے پُر تھا۔ عبادت و ریاضت،

حق گوئی و بے باکی، استقلال و استقامت، پابندیٔ سُنّت اور شجاعت و شہامت ان کے مخصوص اوصاف تھے۔

عبادتِ الٰہی سے ان کو بے انتہا شغف تھا۔ اکثر رات بھر قیام کرتے اور دن کو روزہ رکھتے۔ شوقِ عبادت اور مسجد سے دلبستگی کی بنا پر وہ "حمامۃُ المسجد" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ نماز میں ان کے انہماک اور خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ قیام کی حالت میں بے جان ستون کا گمان ہوتا تھا، سجدہ کرتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے کپڑے کی کوئی گٹھڑی پڑی ہے۔ چڑیاں اور کبوتر ان کے سر، کندھوں اور پشت پر آآکر بیٹھتے تھے اور ان کو مطلق خبر نہ ہوتی تھی۔ بعض دفعہ ساری ساری رات رکوع یا سجدہ ہی میں گزار دیتے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ کئی دفعہ دوسرے لوگ پوری سورۃ البقرہ ختم کر دیتے مگر ابنِ زبیرؓ کا رکوع ختم نہ ہوتا۔ ایک دفعہ گھر کے اندر نماز ادا کر رہے تھے پاس ہی ان کا ایک چھوٹا بچہ سویا ہوا تھا۔ یکایک مکان کی چھت سے ایک سانپ بچے پر گرا۔ گھر کے سب لوگ بچے کو بچانے کے لیے دوڑے اور گھر میں شور مچ گیا لیکن ابنِ زبیرؓ کو خبر تک نہ ہوئی اور وہ پورے سکون سے نماز میں مشغول رہے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو اس واقعہ کا علم ہوا۔

حضرت ابنِ زبیرؓ نے نازک سے نازک موقعوں پر بھی نماز میں اپنا انہماک قائم رکھا۔ معاصرۂ مکہ کے دوران میں ان کے اردگرد پتھروں کی بارش ہو رہی ہوتی لیکن وہ بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ نماز میں مشغول رہتے تھے۔ ایک مرتبہ منجنیق کا ایک پتھر مسجدِ حرام کے کنگرے پر لگا اور اس کا ایک کونہ گر گیا۔ حضرت ابن زبیرؓ پاس ہی نماز پڑھ رہے تھے وہ نہ اس طرف متوجہ ہوئے اور نہ ان کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر ظاہر ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھنا چاہتے ہو تو ابنِ زبیرؓ کی نماز دیکھو۔

حضرت ابنِ زبیرؓ نے اپنی زندگی میں متعدد حج کیے۔ (ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد شاید ہی کوئی حج ناغہ کیا ہو۔ بعض روایتوں کے مطابق

انہوں نے کل آٹھ حج کیے) ایک مرتبہ خانہ کعبہ میں سیلاب کا پانی جمع ہو گیا تھا۔ حضرت ابنِ زبیرؓ نے کئی فٹ گہرے پانی میں تیر کر طواف کیا۔

حضرت ابنِ زبیرؓ نہایت حق گو اور بے باک تھے۔ جو دل میں ہوتا زبان پر لے آتے اور کسی مصلحت کو خاطر میں نہ لاتے۔ حضرت امیر معاویہؓ بڑے طاقتور فرمانروا تھے لیکن حضرت ابنِ زبیرؓ نے ان کے سامنے یزید کی ولی عہدی پر اعتراض کیا اور کسی صورت میں بھی اس کو قبول کرنے پر رضامند نہ ہوئے۔

خوارج کی ایک طاقتور جماعت نے بعض شرائط پر ان کو امداد کی پیشکش کی۔ یہ بڑا نازک وقت تھا اور حضرت ابنِ زبیرؓ کو امداد کی شدید ضرورت تھی لیکن انہوں نے خوارج کی شرائط ماننے سے صاف انکار کر دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اپنے عقائد اور خیالات سے انحراف کرنے کے لیے تیار نہیں۔

حصین بن نمیر نے ان کو شام چلنے کی دعوت دی اور مدد کا وعدہ کیا بشرطیکہ وہ اس خونریزی کو نظر انداز کر دیں جس کا ارتکاب گزشتہ چند ماہ میں شامیوں نے کیا تھا لیکن ابنِ زبیرؓ ان کی اس ظالمانہ خونریزی کو معاف کرنے پر تیار نہ ہوئے اور حصین سے صاف کہہ دیا کہ وہ اس خونریزی کا بدلہ لے کر رہیں گے۔

ابنِ زبیرؓ نے تقریباً بارہ برس تک خلافت کی اس سارے عرصے میں انہیں ایک دن بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ بنو امیہ، مختار ثقفی، خوارج اور دوسرے مخالفین نے انہیں سخت پریشان کیا لیکن انہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی ہمت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور بڑے استقلال و استقامت کے ساتھ ہر قسم کے طوفانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ محاصرۂ مکہ کے آخری دنوں میں بھی جب کامیابی کی کوئی امید نہ رہی تھی وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

پابندیٔ سنت کے لحاظ سے بھی حضرت ابنِ زبیرؓ اپنی مثال آپ تھے۔ ہر کام میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیشِ نظر رکھتے تھے اور لوگوں کو بھی ایسا ہی کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ اپنے عہدِ خلافت میں انہوں نے احکامِ شریعت

کے نفاذ و اجراء کے لیے طاقت کے استعمال سے بھی گریز نہ کیا۔

حضرت ابن زبیرؓ کی شجاعت و شہامت، دوست اور دشمن سب کے نزدیک مُسَلّم تھی اور ان کا شمار شجاعانِ عرب میں ہوتا تھا۔ مشہور سپہ سالار مُہَلّب بن ابی صفرہ سے ایک دفعہ کسی نے پوچھا، آج کل کن لوگوں کو شجاعانِ عرب کہا جا سکتا ہے؟

مُہَلّب نے جواب دیا۔ "مُصعَب بن زبیرؓ، عمر بن عبیداللہ اور عباد بن حصین کو۔

سوال کرنے والے نے حیران ہو کر کہا۔ "اور عبداللہ بن زبیرؓ؟"

مُہَلّب نے بے ساختہ جواب دیا۔ "وہ تو جِن ہیں جِن، میں عام انسانوں کا ذکر کر رہا ہوں۔"

مُہَلّب بن ابی صفرہ کا شمار قرنِ اول کے عظیم ترین مسلمانوں جرنیلوں میں ہوتا ہے۔ شجاعت کے مفہوم سے جس قدر وہ آگاہ تھے کوئی دوسرا کم ہی ہو سکتا تھا۔ ان کے نزدیک ابنِ زبیرؓ کی شجاعت اتنی غیر معمولی تھی کہ ان کے جیسے شجاعانہ کارناموں کی کسی جِن ہی سے توقع کی جا سکتی تھی۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے "تاریخ الخلفاء" میں لکھا ہے کہ ابنِ زبیرؓ قریش میں بڑے شہسوار مشہور تھے اور ان کی بہادری کے اکثر واقعات زبان زدِ خواص و عوام تھے۔

حضرت ابنِ زبیرؓ اپنے والدین کے بے حد خدمت گزار تھے اور ان کی اطاعت کو اپنا جزوِ ایمان سمجھتے تھے۔ جنگِ جمل کے موقع پر حضرت زبیرؓ نے حضرت عبداللہؓ کو وصیت کی کہ اگر میں مارا جاؤں تو میرے سر پر جو بھاری قرض ہے اس کی ادائیگی تمہارے ذمہ ہوگی۔

حضرت ابنِ زبیرؓ نے والدِ گرامی کی وصیت کے مطابق ان کے قرض کی پائی پائی چکا دی اور بنظرِ احتیاط متواتر چار سال تک حج کے موقع پر اعلان کرتے رہے کہ کسی کا قرض میرے والدِ مرحوم کے ذمہ ہو تو وہ مجھ سے وصول کر سکتا ہے۔ جب ان کو پورا یقین ہو گیا کہ اب کوئی قرض خواہ باقی نہیں رہا تو والدؓ کی میراث تمام وُرثاء میں احکامِ شریعت

کے مطابق تقسیم کر دی۔

والدہ حضرت اسماءؓ نے طویل زندگی پائی۔ ان کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا اور دل وجان سے ان کی خدمت کرتے رہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ان کی خالہ تھیں اور ان کو بہت محبوب رکھتی تھیں۔ انہی کے نام پر انہوں نے اپنی کنیت اُمِّ عبداللہ رکھ لی تھی۔ جب تک وہ حیات رہیں، حضرت ابنِ زبیرؓ ان کا حد سے زیادہ ادب واحترام اور مالی خدمت کرتے رہے۔ اُمّ المؤمنینؓ بے حد فیاض اور کشادہ دست تھیں۔ ابنِ زبیرؓ جو کچھ انہیں دیتے بہت جلد راہِ خدا میں صرف کر دیتیں۔ ایک دفعہ ابن زبیرؓ کے منہ سے نکل گیا کہ اگر خالہ جان نے ہاتھ نہ روکا تو آیندہ میں ان کی امداد نہ کروں گا۔ اُمّ المؤمنینؓ کو معلوم ہوا تو انہیں بہت رنج ہوا اور انہوں نے ناراض ہو کر قسم کھالی کہ اب عبداللہ سے کبھی نہ بولوں گی۔ جب ان کی ناراضی طول پکڑ گئی تو ابن زبیرؓ بہت گھبرائے۔ حضرت مِسْوَرؓ بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن اسود کی وساطت سے خالہؓ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے گلے مل کر رونے لگے لیکن اُمّ المؤمنینؓ خاموش رہیں اس پر حضرت مِسْوَرؓ اور عبدالرحمٰنؓ نے حضورؐ کی یہ حدیث بیان کی کہ کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترکِ کلام جائز نہیں۔ اُمّ المؤمنینؓ نے اشکبار ہو کر فرمایا، میں نے عبداللہ سے نہ بولنے کی قسم کھائی ہے اور قسم کا توڑنا بھی جائز نہیں لیکن وہ دونوں برابر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اُمّ المؤمنینؓ بھانجے سے راضی ہو گئیں اور قسم توڑنے کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کیے۔

حضرت عبداللہؓ کو والدِ گرامیؓ کے ترکہ میں بہت بڑی جائداد ملی تھی۔ خود بھی متعدد جنگوں میں شریک ہوئے اور کافی مالِ غنیمت حاصل کیا تھا اس لیے فکرِ معاش سے بے نیاز تھے۔ تموّل کے باوجود وہ بہت کفایت شعار تھے لیکن جہاں جائز ضرورت ہوتی دل کھول کر روپیہ خرچ کرتے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ تو خیر ان کی خالہ تھیں انہوں نے دوسری اُمّہات المؤمنینؓ کی بھی مالی خدمت کرنے سے دریغ نہ کیا۔ کعبہ کی تعمیرِ نو پر بھی بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔ چونکہ نہایت متقی تھے اس لیے سخی کہلانا پسند نہیں کرتے تھے۔

خود انہی لوگوں کی مدد کرتے تھے جن کے بارے میں یقین ہوتا تھا کہ واقعی حاجت مند ہیں۔ البتہ اپنی والدہ حضرت اسماءؓ اور خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ذریعہ (بالواسطہ) ہزاروں روپے راہِ خدا میں تقسیم کرتے رہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ازواج و اولاد کی صحیح تعداد اور تفصیل بتانا مشکل ہے کیونکہ اس بارہ میں مؤرخین کے بیانات میں بہت اختلاف ہے۔ ان کی ایک زوجہ "خولہ بنتِ منظور فزاریہ" کا نام بعض روایتوں میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ اسی طرح بعض مؤرخین نے ان کے چار بیٹوں، خبیب، عباد، حمزہ اور زبیر کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے۔

شکل وصورت میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنے جلیل القدر نانا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بہت مشابہ تھے۔ (سفید رنگ، اکہرا جسم، رخساروں پر گوشت کم، پیشانی بلند اور آنکھیں قدرے اندر کو دھنسی ہوئی)۔ بعض اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ ان کے چہرے پر بال نہیں تھے (یا بہت کم تھے) البتہ نہایت بارعب اور طاقتور تھے۔ دونوں ہاتھوں میں دو تلواریں پکڑ کر بے دریغ چلا سکتے تھے۔ بڑے اچھے شہسوار تھے اور فنونِ حرب میں بہت مہارت رکھتے تھے۔

۱۳

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا زمانۂ خلافت بہت پُر آشوب تھا لیکن گوناگوں مشکلات کے باوجود انہوں نے اپنے زیرِ اقتدار علاقوں میں قرآن وسنت کے احکام نافذ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ وہ لوگوں کو لہو ولعب میں مبتلا ہونے سے سختی کے ساتھ روکتے تھے اور حضورؐ کی اس حدیث پر عمل کرتے تھے:

"جو شخص منکراتِ شرعیہ کو دیکھے تو اپنی طاقت سے ان کو مٹا دے۔"

انہوں نے اپنے دَورِ خلافت میں اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص شطرنج (نرد شیر) کھیلتا ہوا پایا گیا تو خدا کی قسم میں اس کے بال کھنچواؤں گا اور اسے دُرّے لگاؤں گا۔ ایسے مجرم

کے پکڑنے والے کو مجرم کے جسم کا تمام سامان ضبط کر کے دے دیا جائے گا۔

ابن زبیرؓ نے امارت و قضا کے محکموں کو ایک دوسرے سے جدا رکھا اور اپنے قضاۃ کو ہدایت کی کہ وہ اپنے فیصلوں کی بنیاد ہمیشہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ پر رکھیں اور اس معاملہ میں کسی کی رو رعایت نہ کریں۔

ابن زبیرؓ اپنے عمال کے انتخاب میں ہمیشہ زہد و تقویٰ اور دینداری کو ملحوظ رکھتے تھے۔ ان کے چند عمال کے نام یہ ہیں:

حضرت عبداللہؓ بن یزید خطمی (مکہ معظمہ۔ مختصر مدت کے لیے)

حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ (حمص)۔ عبداللہ بن مطیع (کوفہ)

مہلب بن ابی صفرہ (خراسان)۔ عبدالرحمٰن بن جحدم (مصر)

مصعب بن زبیرؓ (بصرہ)

ابن زبیرؓ اپنے عمال پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ اگر کسی عامل کے خلاف انہیں کوئی شکایت پہنچتی تو فوراً اس کی تحقیقات کراتے۔ اگر درست ثابت ہوتی تو شکایت کی نوعیت کے مطابق اس کا تدارک کرتے۔ ایک دفعہ انہوں نے اپنے بیٹے حمزہ کو بصرہ کا حاکم بنا کر بھیجا۔ اس نے بصرہ کے اشراف سے ناروا سلوک کیا۔ حضرت ابن زبیرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے فوراً حمزہ کو بصرہ کی امارت سے معزول کر دیا۔ ایک مرتبہ ان کے عامل مدینہ جابر بن اسود نے جلیل القدر تابعی حضرت سعیدؒ بن مسیب کو اس بنا پر کوڑوں سے پٹوایا کہ وہ ابن زبیرؓ کی بیعت سے انکار کرتے تھے۔ ابن زبیرؓ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ سخت رنجیدہ ہوئے اور ایک غضب آلود خط جابر کو لکھا جس میں اس کو اس زیادتی پر ملامت کی اور حکم دیا کہ خبردار سعیدؒ سے کوئی تعرض نہ کرو۔

حضرت ابن زبیرؓ نے تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ گول (مستدیر) درہم ڈھلوائے درہم کی ایک طرف محمد رسول اللہ نقش تھا اور دوسری طرف

اَمَرَ اللّٰہُ بِالْوَفَاءِ وَالْعَدْلِ

حضرت ابن زبیرؓ کے پاس بری فوج کے علاوہ بحری فوج بھی تھی لیکن وہ اس کی تنظیم پر چنداں توجہ نہ دے سکے۔ مصعب بن زبیرؓ کے قتل کے بعد ان کی بری فوج کی طاقت بھی بالکل کم ہو گئی۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی سیرت و کردار پر بغور نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ انہوں نے نہ کبھی کسی جوڑ توڑ اور سازش میں حصہ لیا اور نہ ملکی عہدوں کو سیاسی رشوت کے طور پر استعمال کیا۔ ان کے دورِ خلافت میں کئی موقعے ایسے آئے کہ وہ چاہتے تو سیاسی جوڑ توڑ سے کام لے کر اپنے حریفوں کو مات دے سکتے تھے لیکن انہوں نے ہمیشہ اپنا ظاہر و باطن یکساں رکھا اور کبھی چالبازی سے کام نہیں لیا۔ جو موقف پہلے دن حق سمجھ کر اختیار کیا آخر دم تک اس پر ڈٹے رہے نہ کوئی ترغیب و تحریص ان کو اپنی راہ سے ہٹا سکی اور نہ دشمن کی زبردست قوت ان کو ہراساں کر سکی۔ انہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی اپنا حوصلہ بلند رکھا، سر کٹا دیا لیکن دشمن کے سامنے جھکنا گوارا نہ کیا۔ اگر وہ دوسرے سیاسی طالع آزماؤں کی طرح جوڑ توڑ سے کام لیتے یا مکہ معظمہ سے باہر نکل کر نبرد آزما ہوتے تو شاید آج تاریخِ اسلام کسی اور انداز سے لکھی جاتی لیکن انہوں نے اپنا دامن نہ مکروفن سے آلودہ ہونے دیا اور نہ ارضِ حرم سے جدا ہونا گوارا کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض معاملات میں حضرت ابن زبیرؓ کے طرزِ عمل سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قرنِ اول کی ایک عظیم شخصیت تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت مغیرہؓ بن حارث ہاشمی

①

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جن اصحاب کو آپؐ کے حلقۂ احباب میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ان میں سے ایک مغیرہؓ بن حارث تھے جو تاریخ میں اپنی کنیت ابوسفیان سے مشہور ہیں۔ وہ حضورؐ کے چچا زاد بھائی بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی کیونکہ دونوں نے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا دودھ پیا تھا۔ حضرت ابوسفیان مغیرہؓ کا نسب نامہ یہ ہے:

مغیرہ بن حارث بن عبدالمطّلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصیّ

والدہ کا نام غزنہ (یا بروایتِ دیگر غزیہ) تھا جو بنو فہر سے تھیں ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

غزنہ (غزیہ) بنتِ قیس بن طریف بن عبدالعُزّیٰ بن عامرہ بن عمیرہ بن ودیعہ بن حارث بن فہر۔

مغیرہؓ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر اور جگری دوست تھے۔ اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ وہ صورتاً حضورؐ سے مشابہت رکھتے تھے، نہایت حسین وجمیل اور وجیہ۔ فنونِ سپہگری اور شعر و شاعری سے بھی شغف تھا۔ عنفوانِ شباب ہی سے قریش کے نہایت اچھے شہسواروں اور شاعروں میں شمار ہونے لگے تھے۔ قرابت قریبہ اور ہمسنی کے باعث حضورؐ اور ان کے درمیان کمال درجے کی محبت اور الفت تھی۔ حضورؐ اپنے ہم عمر جوانانِ قریش میں ان کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے لیکن حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو مغیرہ

اس دعوت پر لبیک کہنے اور آپؐ کی تائید وحمایت میں کھڑے ہونے کی بجائے آپؐ کے مخالفین کی صف میں جا شامل ہوئے اور حق کی مخالفت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ ان کی مخالفت حضورؐ سے دشمنی اور عناد کی صورت اختیار کر گئی یہاں تک کہ انہوں نے حضورؐ کی ہجو کہنے سے گریز کیا اور نہ اہلِ حق کی ایذا رسانی میں دوسرے اشرارِ قریش سے پیچھے رہے۔ حضورؐ مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ تشریف لے گئے تو بھی مغیرہ کی اسلام دشمنی میں کوئی کمی نہ آئی۔ امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں لکھا ہے کہ فتح مکّہ سے پہلے مسلمانوں اور مشرکینِ مکّہ کے درمیان جتنی لڑائیاں ہوئیں ابوسفیان مغیرہ نے ان سب میں مشرکین کی طرف سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس طرح حق کی پُر زور مخالفت کرتے کرتے انہوں نے پورے بیس برس گزار دیئے۔ ان کا یہ خلافِ توقع طرزِ عمل اور معاندانہ رویّہ حضورؐ کے لیے بڑے دُکھ اور اذیت کا باعث ہوا اور آپؐ ان سے سخت بیزار ہو گئے۔

(۲)

۸ھ ہجری میں مغیرہؓ کو خبر ملی کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک زبردست لشکر کے ساتھ مکّہ پر قبضہ کرنے آ رہے ہیں۔ یہ خبر سن کر وہ سخت ہراساں ہوئے اور اپنی اہلیہ اور بچوں سے کہا کہ محمدؐ ایک لشکرِ گراں کے ساتھ مکہ پہنچنے والے ہیں، قریش میں اتنی طاقت نہیں کہ ان کی مزاحمت کر سکیں اگر میں مسلمانوں کے ہتھے چڑھ گیا تو وہ مجھے کبھی زندہ نہیں چھوڑیں گے اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم یہاں سے نکل چلیں۔

اہلیہ بڑی نیک بخت اور سمجھدار تھیں۔ انہوں نے بڑی دردمندی کے ساتھ کہا:

"کیا اب بھی تمہاری آنکھیں نہیں کھلیں جب کہ عرب و عجم کے لوگ جوق در جوق محمدؐ کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہوتے جاتے ہیں۔ تم پر افسوس ہے کہ ابھی تک اپنی معاندانہ روش پر قائم ہو حالانکہ تمہیں دوسرے لوگوں سے بڑھ کر محمدؐ کی نصرت و تائید کرنی چاہیئے تھی۔"

اہلیہ کی باتوں کا حضرت مغیرہؓ پر خاص اثر ہوا اور جب ان کے بچوں نے بھی اپنی ماں کی تائید کی تو ان کے دل کی دنیا بالکل ہی بدل گئی۔ اسی وقت اپنے غلام "مذکور" کو حکم دیا کہ ہمارے لیے ایک اونٹنی اور گھوڑی تیار کرو۔ پھر انہوں نے اپنے نوخیز فرزند جعفرؓ کو ساتھ لیا اور بارگاہِ نبوی میں حاضر ہونے کے ارادہ سے بجانب مدینہ چل پڑے اس وقت مسلمانوں کے ہراول دستے مقام ابواء تک پہنچ چکے تھے۔ انہیں دیکھ کر مغیرہؓ نے اپنا بھیس بدل لیا اور سواریوں کو کسی جگہ باندھ کر چھپتے چھپاتے ایک میل پیدل چل کر بڑے اسلامی لشکر میں پہنچ گئے۔ اس وقت ان پر خوف اور دہشت کی کیفیت طاری تھی اور ہر آن یہی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہونے سے پہلے ہی کسی مسلمان کے ہاتھ سے قتل نہ ہو جائیں لیکن حسن اتفاق سے یکایک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے تشریف لے آئے، وہ آگے بڑھ کر حضورؐ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اپنے چہرے سے چادر ہٹا دی۔ ان کا خیال تھا کہ حضورؐ انہیں اپنے سامنے پا کر خوش ہوں گے لیکن انہیں یہ یاد نہیں رہا تھا کہ گزشتہ بیس برسوں میں دینِ حق کی مخالفت میں وہ کیا کچھ کر چکے تھے۔ اب ان کے لیے حضورؐ کے دل میں کوئی جگہ نہ تھی اور آپؐ ان سے سخت متنفر ہو چکے تھے۔ آپؐ کی نظر جونہی مغیرہ پر پڑی آپؐ نے اپنا چہرۂ اقدس دوسری جانب پھیر لیا وہ اس رُخ کی طرف ہو گئے تو آپؐ نے منہ دوسری جانب پھیر لیا۔ مسلمانوں نے ان سے حضورؐ کی یہ بے التفاتی دیکھی تو انہوں نے بھی ان سے ترشروئی اختیار کی۔ ایک انصاری صاحب رسولؐ حضرت نعیمانؓ کو اس قدر جوش آیا کہ انہوں نے سخت غضب آلود لہجے میں مغیرہ سے مخاطب ہو کر فرمایا :

"او دشمنِ خدا تو وہی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور آپؐ کی دشمنی میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ وقت آگیا ہے کہ اب تو اپنی شرارتوں کا مزہ چکھے ...."

حضرت نعیمانؓ کی آواز لحظہ بہ لحظہ تیز اور بلند ہوتی جاتی تھی اور مغیرہ کی خوف کے مارے جان نکلی جاتی تھی یہاں تک کہ انہوں نے دوڑ کر اپنے چچا حضرت عباسؓ

کی پناہ لی۔ حضرت عباسؓ نے پہلے تو ان سے بے رُخی برتی لیکن جب انہوں نے حد سے زیادہ منت سماجت کی اور اپنی قرابت کا واسطہ دے کر التجا کی کہ نعیمانؓ اور دوسرے مسلمانوں سے میری جان بچائیے تو حضرت عباسؓ کو رحم آگیا اور انہوں نے حضرت نعیمانؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا :

" اے نعیمان! ابوسفیان (مغیرہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچازاد بھائی اور میرا برادر زادہ ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ناراض ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ کسی دن آپؐ اس کو معاف فرما دیں۔"

حضرت نعیمانؓ، حضرت عباسؓ کی بات سن کر خاموش ہو گئے اور دوسرے مسلمانوں نے بھی انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

(۳)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جحفہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو مغیرہؓ اپنے بیٹے کے ساتھ کاشانۂ رسالت کے باہر بیٹھ گئے۔ حضورؐ باہر تشریف لائے تو انہیں دیکھ کر کراہت سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ حضرت مغیرہؓ کو دکھ تو بہت ہوا تاہم مایوس نہ ہوئے۔ برابر اس کوشش میں لگے رہے کہ کسی طرح بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہو کر اپنا قصور معاف کرائیں۔ حضورؐ جہاں بھی قیام فرما ہوتے، وہ وہیں پہنچ جاتے لیکن آپؐ اپنا رُخِ اقدس ان کی طرف سے پھیر لیتے۔ آخر حضرت مغیرہؓ اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بڑی لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ بارگاہِ رسالتمآبؐ میں میری سفارش کیجئے۔ وہ مان گئیں اور حضورؐ کی خدمت میں عرض کی :

" یارسول اللہ اپنے ابنِ عمّ کو مایوس نہ فرمائیے۔"

ارشاد ہوا : " مجھے ایسے ابنِ عمّ کی ضرورت نہیں اس نے مجھے کچھ کم نہیں ستایا۔"

حضرت مغیرہؓ کو حضورؐ کے جواب کا علم ہوا تو ان کا دل ٹوٹ گیا اور انہوں نے

مایوسی کے عالم میں اپنی اہلیہ سے کہا "میرے لیے عفو و کرم کا دروازہ بند ہو چکا ہے اب جینے سے کیا حاصل؟ میں اس کمسن بیٹے کو ساتھ لے کر یہاں سے جا رہا ہوں، دونوں دربدر مارے مارے پھریں گے اور ایک دن بھوک کے پیاسے مر جائیں گے۔"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ذریعے سے حضرت مغیرہؓ کے ارادے کی خبر پہنچ گئی، اس وقت آپؐ کا دریائے کرم جوش پر آگیا اور آپؐ نے حضرت مغیرہؓ کو اپنے سامنے آنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ دونوں باپ بیٹے چہروں پر ڈھاٹا باندھے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور السلام علیک یا رسول اللہ کہہ کر آگے بڑھے۔ حضورؐ نے خدامِ بارگاہ سے فرمایا، ان کے چہروں سے ڈھاٹا ہٹاؤ، صورت تو نظر آئے۔ انہوں نے فوراً ڈھاٹا ہٹا دیا۔ دونوں باپ بیٹے اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔ حضورؐ نے مغیرہؓ کی ایک ہجو کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:

"ابو سفیان تم نے مجھ کو کب مکہ سے نکالا تھا؟"

انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ میں پہلے ہی بہت نادم ہوں اب اور ملامت کرکے شرمندہ نہ کیجیے۔"

فرمایا، "اب کوئی ملامت نہیں۔"

پھر آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ اپنے ابنِ عم کو ساتھ لے جاؤ، اسے وضو اور سنت کی تعلیم دو اور نہلا کر میرے پاس لاؤ۔ حضرت علیؓ نے ارشادِ نبویؐ کی تعمیل کے بعد حضرت مغیرہؓ کو دوبارہ حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا تو آپؐ نے انہیں نماز پڑھائی اور اعلان فرمادیا کہ ابوسفیان سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہو گیا اس لیے تمام مسلمان بھی راضی ہو جائیں۔ حضورؐ کے اس اعلان سے حضرت مغیرہؓ کو اس قدر مسرت ہوئی کہ ان کے قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ اب ان کی زندگی میں یکسر انقلاب آگیا اور وہ دینِ حق کے ایک جاں باز سپاہی

بن گئے۔

(۴)

قبولِ اسلام کے بعد حضرت ابوسفیان مغیرہؓ ان دس ہزار قدسیوں میں شامل ہو گئے جنہیں فتح مکہ کے موقع پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ اگلے ماہ شوال ۸ھ ہجری میں غزوۂ حنین پیش آیا تو حضرت مغیرہؓ اس میں بھی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ آغازِ جنگ میں ہوازن کی بے پناہ تیر باری سے مسلمانوں میں انتشار پھیلا تو حضرت مغیرہؓ ان چند اصحاب میں تھے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدانِ جنگ میں کوہِ استقامت بن کر کھڑے رہے تھے۔ جب مشرکین کا دباؤ زیادہ بڑھ گیا تو وہ شمشیرِ برہنہ ہاتھ میں لیے گھوڑے کی پیٹھ سے کود پڑے اور دشمن کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عباسؓ نے یہ جانبازی دیکھ کر حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا "یا رسول اللہ اپنے ابنِ عم سے راضی ہو جائیے۔" حضورؐ نے فرمایا، میں راضی ہو گیا، اس نے مجھ سے جتنی بھی عداوتیں کیں اللہ ان کو معاف فرمائے۔ پھر آپؐ نے حضرت مغیرہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا "میری عمر کی قسم تم میرے بھائی ہو۔" حضورؐ کا یہ ارشاد سن کر انہیں اس قدر خوشی ہوئی کہ بے اختیار آپؐ کے قدم مبارک چوم لیے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس وقت حضرت عباسؓ نے حضورؐ کے سفید خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی اور حضرت مغیرہؓ نے زین کا پچھلا حصہ تھام رکھا تھا۔ حضورؐ کا ارشاد سنتے ہی وہ مشرکین پر سر بکف ہو کر حملہ آور ہوئے۔ ادھر مسلمانوں نے بھی ان کا ساتھ دیا اور مشرکین کو پیچھے دھکیل دیا۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت مغیرہؓ کی سرفروشی اور فدویت کے جذبے نے حضورؐ کو بہت مسرور کیا اور آپؐ نے انہیں "اسد اللہ" اور "اسد الرسول" کا لقب عطا فرمایا۔

حنین کے بعد عہدِ رسالت میں پیش آنے والے دوسرے غزوات میں بھی حضرت مغیرہؓ

نے حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

۵

قبولِ اسلام کے بعد حضرت مغیرہؓ نے غزوات ہی میں شریک ہو کر اپنی گزشتہ زندگی کی تلافی نہیں کی بلکہ اپنے روز و شب کا بیشتر حصہ عبادت و ریاضت کے لیے وقف کر دیا۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ وہ رات رات بھر نمازیں پڑھتے رہتے تھے اور گرمی کے طویل دنوں میں صبح سے لے کر سورج کے نصف النہار پر آنے تک نوافل پڑھتے رہتے تھے۔ کچھ وقفہ کے بعد یہ پھر سلسلہ جاری کر دیتے یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو جاتا۔ ایک مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد میں داخل ہوتے دیکھ کر اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا:

"عائشہ! جانتی ہو یہ کون ہے؟"

انہوں نے عرض کیا: "نہیں یا رسول اللہ"

ارشاد ہوا: "یہ میرا ابنِ عم ابوسفیان بن الحارث ہے دیکھو یہ سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو رہا ہے اور سب سے بعد اس سے باہر نکلے گا اور اس کی نگاہ اس کے جوتے کے تسمے سے جدا نہیں ہوتی۔"

امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں یہ روایت درج کی ہے کہ حضرت مغیرہؓ کے شغفِ عبادت و ریاضت کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں "جوانانِ جنّت کے سردار" کا لقب عطا فرمایا۔ اسی زمانے میں حضرت مغیرہؓ نے سیدالانام صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں بہت سے اشعار کہے جن کا رنگ یہ تھا:

لقد نطق المامون بالصدق والهدیٰ   و بین الاسلام دینا و منهجا

یعنی مامون (رسول اللہؐ) نے سچائی اور ہدایت کی باتیں ہمیں بتائیں اور اسلام کا دین اور راستہ واضح فرما دیا۔

حضرت مغیرہؓ اپنے نئے دورِ حیات میں قبلِ بعثت کے زمانہ کی طرح پھر

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور شفقت کا مَورِد بن گئے۔ آپؐ فرطِ محبت میں انہیں "خیر اہلی" فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مغیرہؓ کو بھی حضورؐ سے اس قدر محبت اور عقیدت تھی کہ اس کی کوئی حد و نہایت نہیں تھی۔ سلہ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو دنیا ان کے لیے اندھیر ہو گئی اور انہوں نے ایک دلدوز مرثیہ کہا۔ تین چار سال بعد ان کے محبوب بھائی نوفلؓ بن حارث نے وفات پائی تو ان کا دل دنیا سے بالکل سرد ہو گیا۔ اسی زمانے میں انہوں نے دعا مانگی کہ الٰہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بھائی کے بعد زندگی تلخ اور دنیا بے لطف ہو گئی ہے اس لیے جلد دنیا سے اٹھا لے ـــــ اس دعا کے چند ہی دن بعد حج کا موسم آگیا، وہ حج میں شریک ہوئے۔ منیٰ میں سر منڈایا تو سر میں ایک پھنسی کو استرا لگ گیا اس سے ایسا خون جاری ہوا کہ کسی طرح رکتے میں نہ آتا تھا۔ مدینہ منوّرہ واپس گئے تو خود اپنی قبر کھودی۔ حالت نازک ہوئی تو اعزّہ واقارب رونے لگے۔ انہوں نے سب کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا، اسلام کے بعد سے آج تک اللہ نے ہر لغزش سے محفوظ رکھا۔ قبر کھودنے کے تیسرے دن پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں سپردِ خاک کیا۔ انہوں نے اپنے پیچھے بہت سے لڑکے اور لڑکیاں چھوڑیں لیکن ان سے نسل نہیں چلی۔

رضی اللہ تعالٰی عنہٗ

حضرت ابوالعاصؓ بن ربیع

۱

سیدنا حضرت ابوالعاصؓ بن ربیع قریش کے ان تین خوش بخت فرزندوں میں سے ایک ہیں جنہیں فخرِ موجودات سرورِ کائنات رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خویش بننے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ دوسرے دو حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ ہیں۔ حضرت ابوالعاصؓ کا نام باختلافِ روایت لقیط، مھشم یا ہاشم تھا لیکن انہوں نے اپنی کنیت ابوالعاص ہی سے شہرت پائی۔ ان کا تعلق قریش کے نہایت معزز خاندان بنو عبدِ شمس سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

ابوالعاصؓ بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبدِ شمس بن عبدِ مناف بن قصی۔

عبدِ مناف پر ان کا سلسلۂ نسب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔

والدہ کا نام ہالہؓ بنتِ خویلد تھا جو اسلام کی خاتونِ اوّل اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ جمہور اہلِ سیر کا بیان ہے کہ وہ شرفِ اسلام وصحابیت سے بہرہ ور ہوئیں اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ گئیں۔ آستانۂ رسالت پر پہنچ کر انہوں نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ ان کی آواز حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی آواز سے بہت ملتی تھی۔ حضورؐ کے سمعِ مبارک تک آواز پہنچی تو آپؐ کو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

یاد آ گئیں اور آپؐ نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا: "(خدیجہؓ کی بہن) ہالہ ہوں گی۔" وہ اندر آئیں تو حضورؐ نے ان کی بے حد تعظیم و تکریم کی۔

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اپنے بھانجے ابوالعاصؓ سے بہت محبت کرتی تھیں اور ان کو اپنا فرزند سمجھتی تھیں۔ ابوالعاصؓ عنفوانِ شباب ہی میں تجارت میں مشغول ہو گئے تھے اور اپنی سمجھ بوجھ اور خوش معاملگی کی بدولت بڑے وسیع کاروبار کے مالک ہو گئے تھے۔ اس طرح ان کا شمار قریش کے صاحب ثروت لوگوں میں ہوتا تھا۔ ان کی دیانت اور حسنِ معاملہ پر لوگوں کو اس قدر اعتماد تھا کہ وہ ان کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ بقول ابنِ اثیرؒ وہ بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح "الامین" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابوالعاصؓ "امین" ہونے کے علاوہ بڑے دلیر اور بہادر بھی تھے۔ اہلِ عرب نے ان کی شجاعت کے اعتراف میں انہیں "جرد البطحا" (شیرِ حجاز) کا لقب دے رکھا تھا۔ بعثت سے کچھ عرصہ پہلے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت ابوالعاصؓ سے کر دیا۔ اس رشتہ کا محرک جہاں ابوالعاصؓ کے اخلاقِ حمیدہ تھے وہاں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی خواہش اور اصرار بھی تھا۔ اہلِ سیَر نے یہ تصریح نہیں کی کہ نکاح کے وقت حضرت زینبؓ کی عمر کیا تھی لیکن بہر صورت وہ کمسن تھیں۔ اس لیے قیاس یہ ہے کہ پہلے ان کا حضرت ابوالعاصؓ سے نکاح ہوا ہو گا اور رخصتی چند سال بعد ہوئی ہو گی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ساتھ حضرت زینبؓ بھی مشرف بہ اسلام ہو گئیں لیکن حضرت ابوالعاصؓ بعض موانع اور مصالح کی بنا پر اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے تاہم انہوں نے دینِ حق یا ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی سرگرمی میں کبھی کوئی حصہ نہیں لیا۔ ابنِ ہشامؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ قریش کے چند لوگوں نے

حضرت ابوالعاص کو مجبور کیا کہ وہ حضرت زینب کو طلاق دے دیں اور قریش کی کسی دوسری لڑکی سے نکاح کرلیں لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ یہی سبب تھا کہ حضورؐ ان کے قبولِ اسلام سے پہلے بھی ان کا تذکرہ ہمیشہ بھلائی ہی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

۷ بعد بعثت میں مشرکینِ قریش نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے حامی ہاشمیوں اور مُطّلبیوں کو شعبِ ابی طالب میں محصور کر دیا اور کھانے پینے کی کوئی بھی چیز شعب کے اندر لے جانے کی ممانعت کر دی۔ یہ ہولناک مقاطعہ پورے تین برس تک جاری رہا۔ اس دوران میں مشرکین کی پابندیوں اور روک ٹوک کے باوجود حضرت ابوالعاص جان پر کھیل کر کھانے پینے کی کچھ چیزیں کبھی کبھی شعب کے اندر پہنچا دیا کرتے تھے۔ بقول مرزا محمد تقی صاحب "ناسخ التواریخ" حضورؐ نے ان کی اس خدمت کا اعتراف ان الفاظ میں فرمایا:-

"ابوالعاص نے ہماری دامادی کا حق ادا کر دیا۔"

۲

نبوت کے تیرھویں سال سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو حضرت زینب اپنی سسرال میں تھیں۔ حضرت ابوالعاص اپنے آبائی مذہب پر ہونے کے باوجود ان سے نہایت اچھا برتاؤ کرتے تھے۔ ۲ ہجری میں مشرکینِ مکہ غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت ابوالعاص کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ کوئی صحت مند شخص لڑائی کو پسند نہ کرنے کے باوجود پیچھے نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ اس صورت میں مشرکین اس کو بزدلی کا طعنہ دیتے تھے اور کسی قریشی کے لیے یہ طعنہ بڑے ننگ کی بات تھی۔ میدانِ بدر میں قریش کو شکست ہوئی تو حضرت ابوالعاص ایک انصاری جانباز حضرت عبداللہ بن جبیر کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔ ان کے ساتھ دوسرے بہت سے مشرکین کو بھی مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔

اہلِ مکہ نے یہ خبر سنی تو قیدیوں کے قرابت داروں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے عزیزوں کی رہائی کے لیے زرِ فدیہ بھیجا۔ حضرت زینبؓ نے بھی اپنے دیور عمرو بن ربیع کے ہاتھ یمنی عقیق کا ایک ہار حضرت ابو العاصؓ کی رہائی کے لیے بھیجا۔ یہ ہار حضرت زینبؓ کو ان کی مرحومہ والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے شادی کے وقت تحفہ میں دیا تھا۔ جب حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں یہ ہار پیش کیا گیا تو آپؐ کو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ یاد آ گئیں اور آپؐ اشکبار ہو گئے۔ حضورؐ نے صحابۂ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

" اگر مناسب سمجھو تو یہ ہار زینبؓ کو واپس بھیج دو۔ یہ اس کی ماں کی نشانی ہے۔ ابو العاص کا فدیہ یہ ہے کہ وہ مکہ جا کر زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں۔"

تمام صحابۂ کرامؓ نے ارشادِ نبوی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ حضرت ابو العاصؓ نے بھی یہ شرط قبول کر لی۔ رہا ہو کر مکہ پہنچے اور وعدہ کے مطابق حضرت زینبؓ کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ بن ربیع کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب روانہ کر دیا۔ مشرکینِ قریش کو جب یہ اطلاع ملی کہ حضرت زینبؓ مدینہ جا رہی ہیں تو انہوں نے کنانہ بن ربیع اور حضرت زینبؓ کا تعاقب کیا اور مقام " ذی طویٰ " میں انہیں جا گھیرا۔ حضرت زینبؓ اونٹ پر سوار تھیں۔ ایک مشرک ہبار بن اسود نے حضرت زینبؓ کو اپنے نیزے سے زمین پر گرا دیا۔ (یا اونٹ کا منہ پھیرنے کے لیے اپنا نیزہ گھمایا، اونٹ تیزی سے پیچھے مڑا تو حضرت زینبؓ گر پڑیں) وہ حاملہ تھیں سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہو گیا۔ کنانہ بن ربیع غضبناک ہو گئے۔ ترکش سے تیر نکالے اور للکار کر کہا، " خبردار اب تم میں سے کوئی آگے بڑھا تو اسے چھلنی کر دوں گا۔" کفار رُک گئے۔ ابوسفیان نے کنانہ سے مخاطب ہو کر کہا، " بھتیجے اپنے تیر روک لو میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

کنانہ نے پوچھا، " کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ "

ابوسفیان نے ان کے کان میں کہا " محمدؐ کے ہاتھوں ہمیں جس ذلت اور رسوائی سے دوچار ہونا پڑا ہے تمہیں اس کا علم ہے اگر تم اس کی بیٹی کو اس طرح علانیہ ہمارے سامنے لے جاؤ گے تو ہماری بڑی بے عزتی ہو گی۔ بہتر یہ ہے کہ تم اس وقت زینب کے ہمراہ مکہ واپس

آجاؤ اور پھر کسی وقت پوشیدہ طور پر زینب کو لے جاؤ۔" کنانہ نے یہ بات مان لی اور حضرت زینبؓ کو ساتھ لے کر مکہ واپس آ گئے۔ چند دن بعد وہ رات کو چپکے سے حضرت زینبؓ کو ساتھ لے کر مکہ سے نکل آئے اور انہیں مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت ابوالعاصؓ کے ساتھ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو بھیجا تھا کہ وہ حضرت زینبؓ کو اپنے ہمراہ مدینہ لے آئیں۔ حضرت زیدؓ "بطنِ یاجج" کے مقام پر ٹھہر گئے تھے۔ کنانہ حضرت زینبؓ کو اس مقام تک پہنچا کر مکہ واپس چلے گئے اور وہاں سے حضرت زیدؓ حضرت زینبؓ کو اپنے ہمراہ مدینہ منورہ لے گئے۔

حضرت زینبؓ کے جانے کے بعد قریش کا ایک وفد حضرت ابوالعاصؓ کے پاس گیا اور ان سے خواہش کی کہ تم زینبؓ کو طلاق دے دو اس کے بدلے میں قریش کی جس عورت کو تم پسند کرو گے ہم اس کے ساتھ تمہاری شادی کر دیں گے۔ حضرت ابوالعاصؓ نے جواب دیا:

"خدا کی قسم۔ میں زینب کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ قریش کی کوئی اور عورت اس کی برابری نہیں کر سکتی۔"

اس پر قریش کا وفد اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

(۴)

حضرت ابوالعاصؓ کو حضرت زینبؓ سے بہت محبت تھی۔ ان کے مدینہ منورہ چلے جانے کے بعد وہ بہت بے چین رہنے لگے۔ ایک دفعہ جب وہ شام کی طرف سفر کر رہے تھے تو بڑی پُر درد آواز میں یہ شعر پڑھ رہے تھے:

ذکرت زینب لما ورکت ارما

فقلت سقیا لشخص یسکن الحرما

بنت الامین جزاها الله صالحة

وکل بعلٍ یثنی ما الذی علما

یعنی ــ "جب میں ارم کے مقام سے گزرا تو زینب کو یاد کیا اور کہا کہ خدا
اس شخص کو شاداب رکھے جو حرم میں مقیم ہے
امینؐ کی بیٹی کو خدا جزائے خیر دے۔
اور ہر خاوند اسی بات کی تعریف کرتا ہے جس کو وہ خوب جانتا ہے۔"

سنہ ہجری میں حضرت ابوالعاصؓ ایک تجارتی قافلے کے ہمراہ شام جا رہے تھے کہ عیص کے مقام پر مجاہدینِ اسلام کی ایک جماعت نے قافلے پر چھاپہ مارا اور تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔

مسلمانوں کے لوٹنے کے بعد حضرت ابوالعاصؓ بھی سیدھے مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت زینبؓ کے پاس جا کر پناہ طلب کی۔ انہوں نے بلا تامل ان کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ صبح کو جب مسلمان نماز پڑھنے کے لیے مسجدِ نبوی میں آئے تو حضرت زینبؓ نے بآوازِ بلند کہا: " اِنِّیْ قَدْ اَجَرْتُ اَبَا الْعَاصِ بْنَ الرَّبِیْع "

" مسلمانو! میں نے ابوالعاص بن ربیع کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔"

حضورؐ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: " لوگو تم نے کچھ سنا ہے"

سب نے عرض کیا: " ہاں یا رسول اللہ "

حضورؐ نے فرمایا: " خدا کی قسم اس سے پہلے مجھے اس واقعہ کی کوئی اطلاع نہ تھی اور پناہ دینے کا حق تو ہر ادنیٰ مسلمان کو بھی حاصل ہے۔"

اس کے بعد حضورؐ گھر تشریف لائے تو حضرت زینبؓ نے سفارش کی کہ ابوالعاصؓ کا مال انہیں واپس کر دیا جائے۔

چونکہ حضرت ابوالعاصؓ نے حضرت زینبؓ سے مکہ میں بہت اچھا سلوک کیا تھا اس لیے حضورؐ ان کا لحاظ کرتے تھے۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا:

" تم میرے اور ابوالعاص کے رشتہ سے واقف ہو اگر تم اس کا مال واپس کر دو گے تو یہ تمہارا احسان ہو گا اور میری خوشی کا باعث ہو گا۔ اگر نہ کرو گے تو یہ خدا کا عطیہ اور تمہارا حق ہے۔ مجھ کو اس پر کوئی اعتراض یا اصرار نہیں ہے۔"

صحابۂ کرامؓ کو تو ہر وقت خوشنودیٔ رسولؐ مطلوب تھی فوراً تمام مال واسباب حضرت ابوالعاصؓ کو واپس کر دیا۔ وہ اسے لے کر مکہ پہنچے اور تمام لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں۔ پھر اہلِ مکہ سے مخاطب ہو کر کہا :۔

"اے اہلِ قریش اب میرے ذمہ کسی کی کوئی امانت یا مال تو نہیں ہے؟"

تمام اہلِ مکہ نے یک زبان ہو کر کہا : "بالکل نہیں، خدا تمہارا بھلا کرے تم ایک نیک نہاد اور باوفا شخص ہو۔"

حضرت ابوالعاصؓ نے ان کا جواب سن کر کہا :۔

"تو سن لو کہ میں مسلمان ہوتا ہوں، خدا کی قسم اسلام قبول کرنے میں مجھے صرف یہ امر مانع تھا کہ تم مجھے خائن نہ سمجھو۔"

یہ کہہ کر کلمۂ شہادت پڑھا اور اس کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ یہ محرم ۷ھ ہجری کا واقعہ ہے۔

مدینہ پہنچ کر حضرت ابوالعاصؓ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور باقاعدہ مشرف بہ ایمان ہو گئے۔

حضرت ابوالعاصؓ کے قبولِ اسلام کے بعد حضورؐ نے حضرت زینبؓ کے ساتھ ان کے نکاح کی تجدید فرمائی یا نہیں؟ اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تجدید نہیں فرمائی اور حضرت زینبؓ کو بعقدِ اوّل ان کی طرف رجوع کر دیا۔ دوسری یہ کہ حضرت زینبؓ اور حضرت ابوالعاصؓ میں شرک کی وجہ سے تفریق ہو گئی تھی اس لیے حضورؐ نے حضرت ابوالعاصؓ کے قبولِ اسلام کے بعد حضرت زینبؓ کو پہلے حقِ مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کر کے حضرت ابوالعاصؓ کے گھر بھیجا۔

(۴)

حضرت ابوالعاصؓ مکہ میں بڑا وسیع تجارتی کاروبار چھوڑ آئے تھے اور ان کے حسنِ معاملہ اور دیانت وامانت کی وجہ سے مشرکین کو ان کے مسلمان ہونے کے باوجود مکہ میں رہنے پر

کوئی اعتراض نہیں تھا۔ چنانچہ وہ حضورؐ سے اجازت لے کر پھر مکہ آ گئے اور حسب سابق اپنے کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ مکہ میں قیام کی وجہ سے انہیں غزوات میں شریک ہونے کا موقع نہ مل سکا۔

حافظ ابن حجرؒ کے بیان کے مطابق وہ صرف ایک سریہ میں شریک ہوئے جو حضورؐ نے ۱۰ھ ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی سرکردگی میں یمن بھیجا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے یمن سے مراجعت کرتے وقت حضرت ابوالعاصؓ کو یمن کا عامل بنا دیا تھا۔

حضرت ابوالعاصؓ کی اہلیہ حضرت زینبؓ بنتِ رسولؐ اللہ ۸ھ ہجری میں وفات پاگئیں۔ حضرت ابوالعاصؓ کو ان کی وفات سے بے حد صدمہ پہنچا لیکن انہوں نے صبر و استقامت سے کام لیا اور بچوں کی غور پرداخت میں مصروف رہنے لگے۔ حضرت زینبؓ سے وفاداری کا حق انہوں نے یوں ادا کیا کہ ان کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حضرت ابوالعاصؓ نے ذی الحجہ ۱۲ھ ہجری میں وفات پائی لیکن تاریخ ابن مندہ و الاکمال میں ہے کہ حضرت ابوالعاصؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں فتنۂ ردّہ کے استیصال میں بھرپور حصہ لیا اور مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کی لڑائی میں مردانہ وار لڑتے ہوئے جامِ شہادت پیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت زینبؓ کے بطن سے حضرت ابوالعاصؓ کی دو اولادیں ہوئیں۔ ایک فرزند علیؓ اور ایک صاحبزادی اُمامہؓ۔

حضرت علیؓ بن ابوالعاصؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے نواسے تھے اور آپؐ کو بے حد محبوب تھے۔ ان کے بارے میں تین مختلف روایتیں ہیں۔

پہلی روایت یہ ہے کہ وہ صغر سنی میں وفات پا گئے۔

(رحمۃ للعالمین جلد دوم۔ قاضی سلیمان منصور پوری)
(سیر الصحابہ حصہ ہفتم۔ شاہ معین الدین احمد ندوی)

دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے رضاعت کے دو سال قبیلہ بنی غاضرہ میں گزارے۔ حضورؐ نے ایامِ رضاعت کے بعد ان کو مدینہ منورہ منگوا لیا اور خود ان کی پرورش و تربیت فرمائی۔ آپؐ نے حضرت زینبؓ اور حضرت ابوالعاصؓ سے یہ بچہ مانگ لیا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر یہی علیؓ سبطِ رسولؐ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر آپؐ کے ردیف تھے۔ اس وقت ان کی عمر چودہ پندرہ برس کی تھی۔ (الاصابہ۔ لابن حجر عسقلانیؒ)

انہوں نے سنِ بلوغ کے عنفوان میں اپنے والد حضرت ابوالعاصؓ کی زندگی میں وفات پائی۔

(الاستیعاب۔ لابن عبدالبرؒ)

تیسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے جنگِ یرموک (۱۵ھ ہجری) میں جامِ شہادت پیا۔

(تاریخ ابنِ عساکرؒ)

حضرت اُمامہؓ بنتِ ابوالعاصؓ طویل عرصے تک زندہ رہیں۔ حضورؐ کو ان سے بڑی محبت تھی۔ ایک دفعہ نجاشی (شاہِ حبشہ) نے ایک انگوٹھی حضورؐ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجی۔ آپؐ نے فرمایا:

"یہ انگوٹھی میں اس کو دوں گا جو مجھے سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔"

(اَحَبُّ اَهْلِیْ اِلَیَّ) سننے والوں کا خیال تھا کہ آپؐ یہ انگوٹھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کو دیں گے لیکن آپؐ کی مراد بڑوں کی بجائے بچوں سے تھی۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت اُمامہؓ کو بلایا اور یہ انگوٹھی انہیں پہنا دی۔ بعض روایتوں میں انگوٹھی کے بجائے زریں ہار کا ذکر ہے جو کسی نے ہدیۃً بھیجا تھا۔ حضورؐ نے حضرت اُمامہؓ کو بلا کر یہ ہار ان کے گلے میں ڈال دیا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت اُمامہؓ سے محبت کی یہ کیفیت تھی کہ آپؐ انہیں بعض اوقات اپنے ساتھ مسجد میں لے جاتے تھے۔ ایک دن آپؐ اس حالت میں مسجد میں پہنچے کہ حضرت اُمامہؓ دوشِ مبارک پر سوار تھیں۔ آپؐ نے اسی حالت میں نماز پڑھنی شروع کر دی۔ جب رکوع اور سجدے میں جاتے تو ننھی اُمامہؓ کو آہستہ سے اتار دیتے۔ جب کھڑے ہوتے تو پھر دوشِ مبارک پر بٹھا لیتے۔ اسی طرح پوری نماز ادا فرمائی۔

حضرت زینبؓ نے ۸ھ ہجری میں وفات پائی تو حضرت اُمامہؓ شفیق ناناؐ کی سرپرستی اور نگرانی میں آگئیں۔ حضورؐ کے وصال کے بعد والدِ گرامی حضرت ابوالعاصؓ ان کے نگران بنے۔ انہوں نے اپنی وفات (شہادت) سے پہلے حضرت اُمامہؓ کو حضرت زبیرؓ بن العوام (اپنے ماموں زاد بھائی) کی سرپرستی میں دے دیا۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق اور حضرت زبیرؓ کے ایماء پر حضرت علیؓ نے حضرت اُمامہؓ سے نکاح کر لیا۔ ۴۰ھ ہجری میں حضرت علیؓ نے شہادت پائی تو وہ مغیرہ بن نوفلؓ (بن حارث بن عبدالمطّلب) کے عقدِ نکاح میں آئیں اور ان کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ بعض روایات کے مطابق حضرت اُمامہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور بقولِ بعض، مغیرہ کی صُلب سے ان کا ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہا

حضرت یزیدؓ بن ابوسفیانؓ

۱

حضرت ابوخالد یزید بن ابوسفیانؓ کا شمار اُن شجاعانِ اسلام میں ہوتا ہے جنھوں نے باطل کے مقابلے میں اپنی نوکِ شمشیر سے تاریخِ اسلام کا ایک ولولہ انگیز باب رقم کیا۔ ان کا تعلق قریش کی معزز شاخ بنو اُمیّہ سے تھا اور وہ سپہ سالارِ قریش ابوسفیانؓ (بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبدِ مناف بن قصی) کے فرزندِ دلبند تھے۔ اہلِ سیر کا بیان ہے کہ وہ ابوسفیانؓ کے بیٹوں میں سب سے زیادہ لائق، بہادر، فیاض اور نیک خو تھے اسی لیے اہلِ مکّہ میں "یزید الخیر" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ حبیبہؓ، حضرت یزیدؓ کی علاتی (ماں کی طرف سے سوتیلی) بہن تھیں۔ اس طرح وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے برادرِ نسبتی (سالے) تھے۔ مدبرِ عرب امیر معاویہؓ ان کے چھوٹے علاتی بھائی تھے۔ اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ حبیبہؓ تو بعثتِ نبوی کے ابتدائی زمانے ہی میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئی تھیں اور یوں سابقون الاوّلون کی مقدس جماعت میں داخل ہو گئی تھیں البتہ حضرت یزیدؓ اپنے دوسرے اہلِ خاندان کے ساتھ فتح مکّہ (رمضان ۸ھ ہجری) کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے تاہم اس سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں بھی انہوں نے نہ کبھی مسلمانوں کو ایذا پہنچائی اور نہ کبھی اخلاق سے گری ہوئی کوئی حرکت کی۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت یزیدؓ نے سب سے پہلے غزوۂ حنین (شوال ۸ھ ہجری) میں شرکت کی ـــ فتح کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تو حضرت یزیدؓ کو چالیس اوقیہ (سونا یا چاندی) اور سنّو اونٹ مرحمت فرمائے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ غزوۂ حنین کے بعد حضورؐ نے حضرت یزیدؓ کو بنی فراس کا امیر بنایا۔

(۲)

حضرت یزیدؓ بن ابوسفیانؓ شجاعت و شہامت میں اپنا جواب آپ تھے لیکن بہت آخر میں اسلام لائے تھے اس لیے عہدِ رسالت میں انہیں اپنی شمشیرِ خارا شگاف کے جوہر دکھانے کا موقع نہ ملا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو دفعتًہ فتنۂ ارتداد نے سارے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ خلیفۃُ الرسولؐ نے جو عزم و استقامت کا پہاڑ تھے، چند ماہ کے اندر اندر اس فتنہ کو کچل دیا۔ اس کے بعد وہ روم اور ایران کی جانب متوجہ ہوئے۔ سب سے پہلے انہوں نے شام پر لشکر کشی کی تیاری کی جس پر قیصرِ روم (ہرقل) کی حکومت تھی۔ صدیقِ اکبرؓ نے سارے عرب میں جہاد کی منادی کرادی۔ اس پر ہر طرف سے مجاہدین جوق در جوق مدینہ پہنچنے لگے۔ جب کافی لوگ جمع ہو گئے تو حضرت صدیقِ اکبرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح، حضرت یزیدؓ بن ابوسفیانؓ، حضرت شرُحبیلؓ بن حسنہؓ اور حضرت معاذؓ بن جبل انصاری کو طلب کیا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"میں تم لوگوں کو جہادِ شام کی ذمہ داری سونپنا چاہتا ہوں۔ جتنی فوج جمع ہو گی میں اس کو تم میں سے ہر ایک کی قیادت میں جدا جدا روانہ کروں گا۔ اگر میدانِ جہاد میں تم سب یکجا ہو گئے تو سپہ سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ بن الجراح ہوں گے اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو یزیدؓ بن ابی سفیانؓ تمام فوجوں کی قیادت کریں گے۔ اب تم لوگ جاؤ اور شام جانے کی تیاری کرو۔"

چند دن بعد جب مزید مجاہدین مدینہ پہنچ گئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ لشکر گاہ

میں تشریف لے گئے اور حضرت یزیدؓ بن ابو سفیانؓ کو علم مرحمت فرما کر روانگی کا حکم دیا۔ حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو خلیفۃ الرسولؐ سیدنا صدیق اکبرؓ پا پیادہ ان کی مشائعت کے لیے چلے۔ حضرت یزیدؓ بن ابو سفیانؓ نے فرطِ ادب سے عرض کیا " اے خلیفۃ الرسول یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا مجھے اجازت دیں کہ میں بھی سواری سے اتر پڑوں، مجھ سے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ میں سواری پر ہوں اور آپ پا پیادہ۔"

صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا:

" نہ میں سوار ہوں گا اور نہ تمہیں سواری سے اترنے دوں گا۔ میں جتنے قدم چلتا ہوں انہیں خدا کی راہ میں شمار کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان کا اجر دے گا۔"

کچھ دور جا کر صدیقِ اکبرؓ حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کو الوداع کہنے لگے تو انہیں یہ وصیت فرمائی:

" ابو خالد شام میں تم کو بہت سے مقامات پر تارک الدنیا راہبوں سے واسطہ پڑے گا، ان کو اپنے حال پر چھوڑ دینا اور کوئی تکلیف نہ پہنچانا۔ تم کو جنگ میں بعض ایسے لوگوں کا سامنا کرنا پڑے گا جو بیچ سے سر منڈاتے ہیں۔ تم اور تمہارے ساتھی ان کے اسی حصہ پر تلوار ماریں۔ اس کے علاوہ دس باتوں کا خاص خیال رکھنا، عورتوں[۱] بچوں[۲] اور بڈھوں[۳] پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ سبز درختوں[۴] کو نہ کاٹنا، بستیوں[۵] کو ویران نہ کرنا، بکریوں[۶] اور اونٹوں کو ضرورت کے علاوہ ذبح نہ کرنا، درختوں[۷] کو آگ نہ لگانا، کسی[۸] کو پانی میں نہ ڈبونا، خیانت[۹] نہ کرنا اور بزدلی[۱۰] نہ دکھانا۔

اس کے بعد انہوں نے حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کا ہاتھ پکڑ کر جوشِ محبت سے فرمایا: " یزید میں تمہیں اللہ کے حوالے کرتا ہوں، تم پر خدا کی رحمت و سلامتی ہو، تم میرے سب سے پہلے سپہ سالار ہو (جو مدینہ منورہ سے رخصت ہو رہے ہو)۔"

مدینہ منورہ سے رخصت ہو کر حضرت یزیدؓ بن ابو سفیانؓ تیزی سے شام کی طرف بڑھے۔ اسی اثناء میں حضرت خالدؓ بن ولید بھی عراقِ عرب کی مہمات سے فارغ ہو کر ان کے پاس پہنچ گئے اور دونوں نے مل کر شام کے سرحدی شہر بصریٰ پر حملہ کیا۔ ورنجار نامی رومی بطریق نے پانچ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مسلمانوں کا سخت مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی۔ آخر میں اُس نے اس شرط پر صلح کر لی کہ مسلمان رومیوں کی جان و مال کی حفاظت کریں گے اور وہ مسلمانوں کو اس کے عوض جزیہ دیں گے۔

(۳)

حضرت یزیدؓ بن ابو سفیانؓ کے شام آنے کے بعد حضرت ابُوبکر صدیقؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت معاذؓ بن جبل اور حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ کو بھی لشکر دے کر شام روانہ کر دیا۔ ساتھ ہی حضرت عمروؓ بن العاص کو جو عمان میں تھے، حکم بھیجا کہ تم بھی اپنی فوج کے ساتھ شام پہنچ جاؤ۔ یہ سارے لشکر شام کے مختلف مقامات پر پھیل گئے۔ اُدھر قیصرِ روم کو شام میں مسلمانوں کی پیشقدمی کی اطلاع ملی تو اس نے ایک زبردست لشکر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ اس لشکر نے فلسطین کے ایک مقام اجنادین میں آکر پڑاؤ ڈالا۔ (فلسطین اس زمانے میں شام ہی کا ایک حصہ تھا) رومی لشکر کی قیادت دو نامور سردار تذارق اور قبقلار کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو رومیوں کے اجتماع کی خبر ملی تو وہ بھی ہر طرف سے سمٹ سمٹا کر اجنادین پہنچ گئے۔ ان کی قیادت حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح، حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ، حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص کر رہے تھے۔ بروایت ابن اسحاقؒ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ (۶۳۴ع) کو رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ رومی جان توڑ کر لڑے لیکن پُرجوش مسلمانوں کے تیز و تند حملوں کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ چلی اور جلد ہی ان پر ہزیمت کے آثار طاری ہونے لگے۔ تذارق اور قبقلار نے اپنی فوج کو بڑی غیرت دلائی اور دیر تک اسے سنبھالے رکھا لیکن جب وہ دونوں

مسلمان جاں بازوں کی تلواروں کا نشانہ بن گئے تو رومیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اس لڑائی میں تین ہزار مسلمانوں نے جامِ شہادت پیا لیکن رومی مقتولوں کی تعداد ان سے کہیں زیادہ تھی۔

مؤرخ ابن ہشامؒ کا بیان ہے کہ شہدائے اجنادین میں حضرت عمروؓ بن العاص کے بھائی حضرت ہشامؓ بن العاص بھی تھے۔ وہ سابقون الاوّلون میں سے تھے اور دو ہجرتوں کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ مسلمانوں نے رومیوں کا تعاقب کیا تو راستے میں انہیں ایک تنگ گھاٹی ملی جس سے صرف ایک ایک آدمی گزر سکتا تھا۔ جو مسلمان اس مقام سے پار ہو گئے رومی ان سے لڑنے لگے۔ حضرت ہشامؓ شہید ہو کر اس تنگ مقام میں گر پڑے۔ اب جو مسلمان وہاں پہنچتا تھا حضرت ہشامؓ کی لاش کو روندے بغیر گھاٹی کو پار نہیں کر سکتا تھا اس لیے وہیں رک جاتا تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص وہاں پہنچے تو مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا:

> "برادرانِ اسلام اللہ نے میرے بھائی کو شہادت عطا کی اور اس کی رُوح کو اٹھا لیا۔ یہاں تو صرف اس کا جسم ہے اس لیے تم لوگ اس کی لاش پر سے گھوڑے لے جاؤ۔"

یہ کہہ کر انہوں نے خود گھوڑا بڑھایا ساتھ ہی ان کے پیچھے دوسرے مجاہدین بھی چل پڑے اور شہیدِ راہِ حق حضرت ہشامؓ کی لاش ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ لڑائی ختم ہوئی تو حضرت عمروؓ بن العاص نے بھائی کی لاش کے ٹکڑوں کو بورے میں بھر کر سپردِ خاک کیا۔

اجنادین کے معرکے کے بعد مسلمان شام کے صدر مقام دمشق کی طرف بڑھے اور جلتے ہی چاروں طرف سے اس کا محاصرہ کر لیا۔ شہر پناہ کے بڑے بڑے دروازوں پر وہ افسر متعین ہوئے جو شام کے مختلف صوبوں کی تسخیر پر مامور ہو کر آئے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح باب الجابیہ پر، حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ باب الفرادیس پر، حضرت عمروؓ بن العاص باب توما پر، حضرت خالدؓ بن ولید باب الشرق پر اور حضرت یزیدؓ بن ابو سفیانؓ باب کیسان پر متعین ہوئے۔

یہ محاصرہ عرصہ تک (ایک روایت کے مطابق چھ ماہ تک) جاری رہا۔ اسی دوران میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی اور حضرت عمر فاروقؓ مسند نشینِ خلافت ہوئے۔ انہوں نے ایک خط لکھ کر حضرت ابوعبیدہؓ کو صدیق اکبرؓ کی وفات کی اطلاع دی اور جو قاصد یہ خط لے کر گیا اس کو تاکید کی کہ وہ حضرت ابوعبیدہؓ سے بطورِ خاص حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت یزیدؓ بن ابوسفیانؓ، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت سعیدؓ بن زید اور حضرت معاذؓ بن جبل کا حال دریافت کرے۔ اس کے استفسار پر حضرت ابوعبیدہؓ نے اسے بتایا کہ یہ سب اصحاب اپنے طور طریق اور مسلمانوں کی خیرخواہی میں ویسے ہی ہیں جیسا انہیں میرے اور عمرؓ کے نزدیک ہونا چاہیے۔

چھ ماہ محصور رہنے کے بعد دمشق کی رومی فوجوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہونا پڑا کیونکہ ایک شب ان کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر حضرت خالدؓ بن ولید چند جاں بازوں کے ساتھ فصیلِ شہر پر چڑھ گئے اور پھر دوسری جانب نیچے اتر کر شہر کے دروازے کھول دیئے۔ ادھر اسلامی لشکر تیار کھڑا تھا، سیلاب کی طرح شہر میں داخل ہو گیا۔ رومیوں نے معمولی مزاحمت کی لیکن بالآخر ہتھیار پھینک کر صلح کے ملتجی ہوئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے ان پر جزیہ عائد کر کے صلح منظور کر لی۔

دمشق کی فتح نے رومیوں کو سخت برہم کیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے زور اور قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آمادہ ہوئے۔ علامہ طبریؒ کا بیان ہے کہ چالیس ہزار (بروایتِ دیگر اسی ہزار) رومی ھیکلاز نامی ایک نامور جرنیل کی قیادت میں اُردن کے شہر بیسان میں خیمہ زن ہوئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو وہ بھی اپنی فوجوں کے ساتھ اُردن کی طرف بڑھے اور بیسان کے مقابل فحل کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں نے پہلے قاصد بھیج کر حضرت ابوعبیدہؓ کو پیشکش کی کہ اگر مسلمان واپس چلے جائیں تو ہر مسلمان سپاہی کو دو دو اشرفیاں دی جائیں گی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اس پیشکش کو پلائے استحقار

سے ٹھکرا دیا اور لڑائی ناگزیر ہوگئی۔ قاصد کی واپسی کے دوسرے دن فریقین میں خونریز جنگ ہوئی۔ رومیوں نے جان توڑ کر مقابلہ کیا لیکن مسلمان سرفروشوں نے بہت جلد ان کی صفیں درہم برہم کر دیں اور وہ نہایت بدحواسی سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس معرکہ کے بعد اردن کے دوسرے تمام شہر اور مقامات آسانی سے فتح ہو گئے۔ علامہ بلاذریؒ نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ اردن کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے حضرت یزیدؓ بن ابو سفیانؓ کو ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کیا۔ انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کے ساتھ مل کر اس کو نہایت مختصر عرصے میں مسخر کر لیا۔

اردن اور ساحلی علاقوں کی تسخیر کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے حمص کا رخ کیا تو حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کو دمشق میں اپنا قائم مقام بنا کر چھوڑ گئے۔

ہرقل قیصر روم کو خبر ملی کہ مسلمان حمص پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو اس نے ایک مضبوط لشکر اپنے ایک جرنیل توذر کی قیادت میں دمشق کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ مسلمانوں کو حمص کی طرف بڑھنے نہ دے اور ممکن ہو تو دمشق پر قبضہ کرے۔ توذر نے دمشق کے مغرب میں مرج الروم کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ توذر کے پیچھے ہرقل نے ایک اور لشکر اس کی مدد کے لیے روانہ کیا اس کا سردار شنس نامی ایک رومی جرنیل تھا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے توذر کے مقابلے کے لیے حضرت خالدؓ بن ولید کو مقرر کیا اور خود شنس کے مقابلے پر گئے۔

حضرت یزیدؓ بن ابو سفیانؓ دمشق میں خاموش نہیں بیٹھے تھے۔ بلکہ حالات پر کڑی نظر رکھ رہے تھے انہیں توذر کے عزائم کا علم ہوا تو ایک دن اپنی فوج کو ساتھ لے کر دمشق سے نکلے اور توذر کے سر پر جا پہنچے، وہ بھی لڑائی کے لیے تیار تھا دونوں لشکر جنگی نعرے لگاتے ہوئے ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ جب لڑائی کا تنور پوری طرح گرم تھا، حضرت خالدؓ بن ولید بھی اپنی فوج کے ساتھ پہنچ گئے۔ انہوں نے رومیوں کے عقب سے حملہ کر دیا۔ اس طرح دونوں طرف سے اسلامی فوجوں نے

رومیوں کو تباہ کر ڈالا۔ دوسری طرف حضرت ابو عبیدہؓ نے شنس کے لشکر کو شکست دی اور پھر آگے بڑھ کر حمص کو گھیر لیا۔ اہلِ حمص نے بہت جلد اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد حماۃ، شیزر، معرۃ النعمان اور لاذقیہ بھی یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے۔

(۴)

رومیوں کی پے درپے شکستوں نے قیصرِ روم کو سخت برافروختہ کیا اور اس نے انطاکیہ میں بہت بڑی فوج جمع کر کے شام کا چپہ چپہ مسلمانوں سے خالی کرا لینے کا ارادہ کر لیا۔ یہ فوج جس میں بڑے بڑے آزمودہ کار سپاہی اور افسر شامل تھے، انطاکیہ سے چلی تو ہر طرف غل پڑ گیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو رومیوں کی یلغار کی خبر ہوئی تو انہوں نے مجلسِ مشاورت منعقد کی جس میں طے پایا کہ جن جن شہروں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا ہے وہاں سے فوجیں ہٹا لی جائیں اور یہ ساری فوجیں سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ یہ بڑا دانشمندانہ فیصلہ تھا کیونکہ صرف اسی صورت میں رومیوں کی خوفناک قوت کا مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔ مقبوضہ شہروں حمص، دمشق وغیرہ کو خالی کرتے وقت مسلمانوں نے ایسے بلند کردار کا مظاہرہ کیا کہ تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اللہ کے ان پاک باز بندوں نے مقبوضہ شہروں سے نکلتے وقت وہاں کے باشندوں کو جزیہ کی رقمیں یہ کہہ کر لوٹا دیں کہ فی الحال ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے اس لیے تم سے جزیہ لینا ہمارے لیے ناجائز ہے۔ مسلمانوں کے بلند کردار کا عیسائیوں اور یہودیوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ روتے تھے اور دعائیں مانگتے تھے کہ خدا تم کو پھر واپس لائے۔

تمام مسلمان شام کے مفتوحہ شہروں کو خالی کر کے یرموک پہنچے اور وہاں پاؤں جما کر کھڑے ہو گئے۔ اسی مقام پر وہ فیصلہ کن لڑائی ہوئی جس نے شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ تمام اسلامی فوج کی تعداد مل ملا کر تیس اور چالیس ہزار کے درمیان تھی۔ اس کے مقابلے میں رومی فوج کی تعداد دو تین لاکھ کے قریب تھی۔ پہلے دونوں

طرف سے قاصد آتے جاتے رہے۔ رومی سپہ سالار باہان نے چاہا کہ مسلمان روپیہ لے لیں اور واپس چلے جائیں۔ بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق اس نے یہ پیشکش کی کہ مسلمانوں کے سپہ سالار کو دس ہزار، ہر افسر کو ایک ایک ہزار اور ہر سپاہی کو سو سو دینار دیئے جائیں گے۔ لیکن مسلمانوں نے یہ پیشکش قبول نہ کی اور لڑائی کا آغاز ہو گیا۔ اسلامی فوج کے میسرہ کے افسر حضرت یزیدؓ بن ابوسفیانؓ تھے وہ اس شان سے لڑے کہ شجاعت بھی آفرین پکار اٹھی۔ رومی بھی اس معرکے میں بڑی بے جگری سے لڑے اور کئی بار مسلمانوں کی صفوں کو ابتر کر دیا۔ ایک موقع پر تو وہ مسلمانوں کو دھکیلتے دھکیلتے عورتوں کے خیموں تک پہنچ گئے۔ اسلام کی غیور بیٹیاں یہ حالت دیکھ کر بے اختیار خیموں سے باہر آ گئیں اور خیموں کی چوبیں اکھاڑ کر رومیوں پر حملہ آور ہوئیں۔ اس وقت حضرت یزیدؓ بن ابوسفیانؓ، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت سعیدؓ بن زید، حضرت شرجیلؓ بن حسنہؓ اور حضرت قباثؓ بن اشیم اس بے جگری سے لڑ رہے تھے کہ دنیا و مافیہا کا ہوش نہیں تھا۔ اتفاق سے حضرت یزیدؓ کے والد حضرت ابوسفیانؓ جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے ادھر آ نکلے۔ انہوں نے بیٹے کو پکار کر کہا، "جانِ پدر اس وقت میدان میں ایک ایک سپاہی شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے تو مسلمانوں کا ایک سپہ سالار ہے اور سپاہیوں کی نسبت تجھ پر شجاعت کا زیادہ حق ہے تو خدا سے خوف کرتا رہ، ہر حال میں اسی پر نگاہ رکھ، تجھے چاہیے کہ تو اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ آخرت کا طالب، جنگ میں پامرد اور شدائدِ جنگ کا برداشت کرنے والا ہو اگر آج تیری فوج میں سے ایک سپاہی بھی اس میدان میں تجھ سے بازی لے گیا تو تیرے لیے شرم کی جگہ ہے۔"

حضرت یزیدؓ پہلے ہی سر بکف ہو کر لڑ رہے تھے۔ والدِ گرامی کی للکار نے انہیں شعلۂ جوالہ بنا دیا اور وہ پہلے سے دو چند جوش کے ساتھ لڑنے لگے۔ اسی اثناء میں قیسؓ بن ہبیرہ ایک دستۂ فوج کے ساتھ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ رومیوں پر عقب سے حملہ آور ہوئے۔ اس جنگی چال نے دشمن کی فوج میں کھلبلی ڈال دی اور

وہ بڑی بے ترتیبی کے ساتھ بھاگ اٹھی۔ مسلمانوں نے دُور تک رومیوں کا تعاقب کیا اور جگہ جگہ ان کی لاشیں بچھا دیں۔

مسلمانوں کو اس معرکے میں مکمل کامیابی ہوئی اور اس نے قریب قریب شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ ہرقل بھاگ کر قسطنطنیہ چلا گیا اور پھر کبھی اس کو شام کی سرزمین پر قدم رکھنا نصیب نہ ہوا۔ اب شہر پر شہر فتح ہونے لگے اور شام کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ اس کے بعد مسلمان بیت المقدس کی طرف بڑھے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ شہر چند دن تو قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے لیکن پھر ہمت ہار بیٹھے اور حضرت ابو عبیدہؓ کو پیغام بھیجا کہ ہم شہر مسلمانوں کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ مسلمانوں کا خلیفہ خود یہاں آ کر ہمارے ساتھ صلح کی شرائط طے کرے اور پھر انہیں معرضِ تحریر میں لا کر ہمارے حوالے کرے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر تمام واقعات کی اطلاع دی اور یہ بھی لکھا کہ بیت المقدس کی فتح (کسی کُشت و خون کے بغیر) آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ حضرت عمرؓ کو یہ خط ملا تو وہ اکابر صحابہؓ سے مشورہ کے بعد چند مہاجرین اور انصار کو ساتھ لے کر بیت المقدس کے لیے چل پڑے۔ حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ اور دوسرے فوجی افسروں نے جابیہ کے مقام پر امیر المومنینؓ کا استقبال کیا۔ اس وقت یہ اصحاب پُرتکلف لباس زیبِ تن کیے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر برہم ہو گئے۔ گھوڑے سے اتر پڑے اور زمین سے کنکریاں اٹھا کر ان کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا: "تم لوگوں کو کیا ہوا کہ اس تزئین و تکلف کے ساتھ میرے استقبال کو آئے ہو؟ دو ہی سال کے عرصے میں تم نے اپنی سادگی ترک کر کے عجمی وضع اختیار کر لی۔" ان لوگوں نے عرض کی "امیر المومنین ہم نے اپنی سپاہیانہ وضع ترک نہیں کی ہے اس لباس کے نیچے ہمارے ہتھیار موجود ہیں۔" یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا "اگر یہ بات ہے تو پھر کچھ مضائقہ نہیں۔"

قیامِ بیت المقدس کے دوران میں ایک دن حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ نے

حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کی: "امیر المؤمنین یہاں ہمیں سب کچھ میسّر ہے اور اللہ کے فضل سے مسلمان خوشحال ہیں اگر آپ عمدہ کپڑے پہن لیں، اچھی سواری پر سوار ہوں اور مسلمانوں کو بھی ان کے استعمال کی اجازت دے دیں تو اس سے غیروں کی نظروں میں آپ کا اور دوسرے مسلمانوں کا رعب و وقار بڑھ جائے گا"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"نہیں یزید میں اپنی سادہ وضع ہرگز ترک نہ کروں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ رومیوں کی نظر میں میری عزت بڑھے اور اللہ کی جناب میں میری وقعت کم ہو جائے۔"

حضرت یزیدؓ خاموش ہو گئے اور امیر المؤمنینؓ اخیر تک اپنی سادہ وضع پر قائم رہے۔ ان کی سادگی نے عیسائیوں کو بے حد متاثر۔ معاہدہ صلح طے پا جانے کے چند دن بعد حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ کو معاودت کی۔ ۱۸ھ میں اسلامی لشکر میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی (طاعونِ عمواس) اس میں ہزاروں مسلمانوں نے وفات پائی۔ ان میں امیر شام حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح بھی شامل تھے۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کی جگہ حضرت یزیدؓ بن ابو سفیانؓ کو شام کا والی مقرر کیا اور حکم بھیجا کہ فوراً قیساریہ کی مہم پر روانہ ہو جاؤ۔ حضرت یزیدؓ سترہ ہزار مجاہدین کے ساتھ قیساریہ پہنچے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اثنائے محاصرہ میں وہ سخت بیمار ہو گئے اور اپنے بھائی امیر معاویہؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر دمشق چلے آئے۔ یہیں ۱۸ ہجری یا ۱۹ ہجری میں انہوں نے پیک اجل کو لبیک کہا۔ ایک روایت میں ہے کہ امیر معاویہؓ نے ان کی زندگی ہی میں قیساریہ فتح کر کے انہیں مطلع کیا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو اس فتح کی اطلاع دی۔ دوسری روایت کے مطابق امیر معاویہؓ نے یہ مہم ان کی وفات کے بعد سر کی۔ بہرصورت حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ شام کی فتوحات میں شروع سے اخیر تک نمایاں حیثیت سے شریک رہے اور اپنی شجاعت و استقامت کے ان مٹ نقوش صفحہ تاریخ پر ثبت کر گئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبید اللہ بن عبّاس رضؓ

(۱)

حضرت عبید اللہؓ، حبر الامۃ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ وہ ہجرتِ نبوی سے ایک سال پہلے (۱۲ نبوت میں) پیدا ہوئے۔ امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں لکھا ہے کہ حضرت عبّاسؓ اپنی اولاد میں ان کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عَمِّ محترم حضرت عباسؓ کے بچوں سے بہت محبّت تھی اور آپؐ ان پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔

بارہا ایسا ہوا کہ آپؐ نے عبد اللہؓ، عبید اللہؓ اور کثیرؓ (ابنائے حضرت عباسؓ) کو بلایا اور ان سے فرمایا، بچو! تم میں سے جو دوڑ کر مجھ کو سب سے پہلے ہاتھ لگائے گا، میں اس کو فلاں چیز دوں گا۔ تینوں بھائی دوڑ کر آپؐ کی طرف جاتے۔ کوئی آپؐ کے سینہ سے چمٹ جاتا، کوئی پشت مبارک پر چڑھ جاتا۔ آپؐ سب کو سینہ سے لگاتے اور خوب پیار کرتے۔

حضرت عباسؓ نے ۸ھ ہجری میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور اپنے اہل و عیال سمیت مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ آ گئے اس وقت حضرت عبید اللہؓ کی عمر نو برس کے لگ بھگ تھی۔ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ وقتاً فوقتاً بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے تھے اور فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہوتے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال (۱۱ھ ہجری) کے بعد حضرت عبید اللہؓ اپنے والدِ گرامی حضرت عباسؓ اور والدہ ماجدہ حضرت اُمّ الفضل لبابہؓ کے علم و فضل سے استفاضہ کرتے رہے۔ اپنے

بڑے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تبحرِ علمی کے بے حد مدّاح تھے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں حضرت عبداللہؓ کے بارے میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:۔

"میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے بڑھ کر سنّت کا عالم، ان سے زیادہ صائب الرائے اور ان سے بڑا دقیق النظر کسی کو نہیں دیکھا۔"

انہوں نے اپنے ایک فرزند عبداللہؒ کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا شاگرد بنا دیا تھا۔

۲

۳۵ھ ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے حضرت عبید اللہؓ بن عباسؓ کو یمن کا والی مقرر کیا۔ پھر ۳۶ھ ہجری اور ۳۷ھ ہجری میں ان کو امیرِ حج بنایا اور ان دونوں سالوں کے حج انہی کی امارت میں ہوئے۔

۴۰ھ ہجری میں امیر معاویہؓ والیٔ شام نے بسر بن ابی ارطاۃ کو حجاز اور یمن پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اس نے کسی مزاحمت کے بغیر مکّہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیا اور پھر یمن کی طرف بڑھا جہاں حضرت عبید اللہؓ حضرت علیؓ کی طرف سے منصبِ امارت پر فائز تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے پوشیدہ طور پر حضرت عبید اللہؓ کو اطلاع دی کہ بسر بن ابی ارطاۃ یمن کی طرف بڑھ رہا ہے اور اس پر قبضہ کر کے لوگوں سے امیر معاویہؓ کی بیعت لینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ جو لوگ بیعت کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں وہ ان کو نہایت بے دردی سے قتل کر ڈالتا ہے۔ حضرت عبید اللہؓ کے پاس اتنی فوجی قوّت نہیں تھی کہ وہ بسر بن ابی ارطاۃ کا مقابلہ کر سکیں۔ انہوں نے مناسب یہی سمجھا کہ خود دربارِ خلافت میں جا کر مدد طلب کریں۔ چنانچہ وہ عبداللہ بن عبدالمدان کو یمن میں اپنا نائب بنا کر عازمِ کوفہ ہو گئے۔ ان کی غیر حاضری میں بسر نے یمن پر قبضہ کر لیا اور حضرت علیؓ کے حامیوں کی ایک کثیر تعداد کو موت کے گھاٹ اتار ڈالا۔ حضرت عبید اللہؓ کے اہل و عیال یمن ہی میں مقیم تھے۔ شقی القلب بسر نے ان کے دو صغیر السن بچوں کو ان

کی والدہ کے سامنے پکڑ کر قتل کر ڈالا۔ حضرت عبیداللہؓ کو اپنے معصوم بچوں کی شہادت کی خبر ملی تو انہیں سخت صدمہ پہنچا لیکن بڑے ضبط اور حوصلے سے کام لیا اور رضائے الٰہی کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا۔ حضرت علیؓ کو بسر بن ابی ارطاۃ کے مظالم کا علم ہوا تو انہوں نے اس کی سرکوبی کے لیے فوج جمع کرنی شروع کر دی لیکن ابھی ان کی تیاریاں مکمل نہ ہوئی تھیں کہ ابنِ ملجم کی زہر آلود تلوار نے انہیں جامِ شہادت پلا دیا۔ (رمضان ۴۰ھ) اور اس کے ساتھ ہی نظمِ حکومت کی بساط اُلٹ گئی۔ اس سانحۂ جانگداز کے بعد حضرت عبیداللہؓ نے عزلت گزینی اختیار کر لی اور باقی زندگی خاموشی سے گزار دی۔ ان کے سالِ وفات کے بارے میں اختلاف ہے البتہ حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت عبیداللہ بن عباسؓ نے ۵۸ھ ہجری میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔

حضرت عبیداللہ بن عباسؓ سے مروی چند احادیث کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ یہ تمام حدیثیں انہوں نے اپنے والدِ گرامی حضرت عباسؓ سے روایت کی ہیں۔ حضرت عبیداللہؓ کے رواۃ میں ان کے فرزند عبداللہؒ اور مشہور تابعی ابنِ سیرینؒ شامل ہیں۔

۳

اربابِ سیَر کا بیان ہے کہ جس طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ اقلیمِ علم و حکمت کے بادشاہ تھے اسی طرح حضرت عبیداللہؓ بن عباسؓ جود و سخا اور بذل و عطا میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ ان کا دسترخوان نہایت وسیع تھا جس سے ہر غریب مسکین اور حاجت مند کو مُتمتّع ہونے کی کھلی اجازت تھی اس طرح لاتعداد غرباء و مساکین ان کے دسترخوان پر پرورش پاتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ دسترخوان کے لیے روزانہ ایک اونٹ ذبح کراتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے انہیں یہ کہہ کر ہاتھ روکنے کا مشورہ دیا کہ آخر یہ سلسلہ آپ کب تک جاری رکھ سکیں گے؟ حضرت عبیداللہؓ بھائی کا

بہت احترام کرتے تھے لیکن ان کا یہ مشورہ ان کو پسند نہ آیا کیونکہ فیاضی اور دریا دلی ان کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ جس دن حضرت عبیداللہؓ نے ان کو یہ مشورہ دیا اس دن سے وہ دسترخوان کے لیے ایک کی بجائے دو اونٹ ذبح کرانے لگے۔
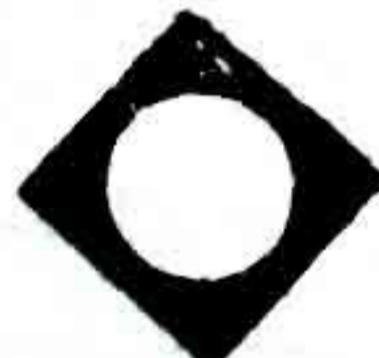
حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اپنے عہدِ خلافت میں دونوں بھائیوں کو مختلف ذمہ داریاں سونپیں تو انہیں مدینہ منورہ کی اقامت ترک کرنی پڑی تاہم جب کبھی وہ مدینہ منورہ میں اکٹھے ہوتے تو جہاں حضرت عبداللہؓ کے گھر ان کے خوانِ علم سے ریزہ چینی کے لیے خلقِ خدا ٹوٹ پڑتی تھی وہاں حضرت عبیداللہؓ کے خوانِ نعمت پر سائلوں اور محتاجوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ابنِ اثیرؒ نے "اسد الغابہ" میں ان کی فیاضی کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبیداللہ بن عباسؓ اپنے غلام کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ اثنائے سفر میں شام ہوگئی۔ قریب ہی ایک بدوی کا گھر نظر آیا۔ غلام نے عرض کی، اندھیرے میں سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں کہیں ہم راستہ نہ بھول جائیں مناسب یہ ہے کہ رات بھر کے لیے اس بدوی کے گھر میں قیام کریں۔ حضرت عبیداللہؓ نے فرمایا، تم نے ٹھیک کہا چلو صاحبِ خانہ سے اجازت طلب کریں۔ دونوں بدوی کے پاس پہنچے اور اس سے کہا، بھائی آج کی رات ہم تمہارے مہمان ہیں۔ حضرت عبیداللہؓ بڑے بلند و بالا اور وجیہ آدمی تھے۔ بدوی اپنی فراست سے سمجھ گیا کہ کوئی معزز آدمی ہیں۔ اس نے نہایت خوشدلی سے انہیں اہلاً و سہلاً و مرحبا کہا اور گھر کے اندر جا کر اپنی اہلیہ سے کہا کہ آج ایک معزز شخص ہمارے گھر میں قیام کرے گا، کھانے پینے کے لیے کچھ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کھانے کے لیے اور تو کوئی چیز نہیں البتہ یہ بکری موجود ہے جس کے دودھ پر تمہاری بچی کی گزران ہے۔ بدوی نے کہا، کچھ بھی ہو میں اس بکری کو ذبح کر کے مہمان کو کھانا کھلاؤں گا۔ بیوی نے کہا، کیا معصوم بچی کو مار ڈالو گے؟ بدوی نے کہا جو ہوتا ہے ہو جائے میں مہمان کو بھوکا نہیں رکھ سکتا۔ چنانچہ بکری کو ذبح کر کے حضرت عبیداللہؓ اور ان کے غلام کو کھانا کھلایا۔ حضرت عبیداللہؓ نے میاں بیوی کی گفتگو

سُن لی تھی۔ صبح کو بیدار ہوئے تو غلام سے پوچھا، تمہاری تحویل میں کتنی رقم ہے؟ اس نے کہا، پانچ سو دینار ہیں۔ حکم دیا کہ یہ سب اس بدوی کو دے دو۔ غلام نے عرض کیا، سبحان اللہ یا امیر، اس نے ہمیں پانچ درہم کی بکری کھلائی اور آپ اسے پانچ سو دینار دے رہے ہیں؟

حضرت عبید اللہؓ نے برہم ہو کر فرمایا: "حیف ہے تمہاری عقل پر، خدا کی قسم ہمارا یہ غریب میزبان ہم سے کہیں زیادہ فیاض اور سیر چشم ہے ہم تو اپنی دولت سے ایک بہت حقیر رقم اسے دے رہے ہیں اور اس نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو قربان کر کے اپنی تمام متاع ہمارے سامنے پیش کر دی۔" (یعنی بکری جو اس کا سب کچھ تھی ذبح کر کے ہمیں کھلا دی) اور اپنی اکلوتی شیر خوار بچی کی زندگی کی پروا بھی نہ کی۔

غلام خاموش ہو گیا اور اس نے اظہارِ تشکر کے ساتھ یہ رقم باصرار بدوی کو دے دی۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہ

حضرت زبرقانؓ بن بدر تمیمی سعدی (ماہِ نجد)

(۱)

یوں تو سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر صحابی کی سیرت بھی نورانی تھی اور صورت بھی نورانی لیکن بعض صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حسنِ صورت اور وجاہت سے نوازا تھا۔ ایسے ہی اصحاب میں عرب کے مشہور قبیلہ بنو تمیم کی شاخ بنو سعد کے ایک فرزند زبرقانؓ بن بدر بھی تھے جو اپنے میدہ و شہاب رنگ اور انتہائی دلکش خدوخال کی وجہ سے "ماہِ نجد" کے لقب سے مشہور تھے۔ قبیلے کے لوگ تو خیر اُن سے مانوس ہو چکے تھے لیکن کوئی اجنبی انہیں دیکھتا تو ٹھٹک کر رہ جاتا۔ یہی سبب تھا کہ جب کبھی وہ اپنے وطن سے باہر کسی جگہ جاتے تو اپنے چہرے پر ڈھاٹا باندھ لیتے تھے تاکہ ان کا حسن و جمال کسی کو فتنہ میں مبتلا نہ کر دے۔ حضرت زبرقانؓ کی کنیت ابو عیاش اور اصل نام حسین تھا لیکن وہ تاریخ میں اپنے عرف یا لقب زبرقان سے مشہور ہوئے۔ نسب نامہ یہ ہے:

زبرقانؓ بن بدر بن امرؤ القیس بن خلف بن بہدلہ بن عوف بن کعب بن زید مناۃ بن تمیم۔

حضرت زبرقانؓ کے آباؤ اجداد کسی زمانے میں بنو تمیم کے بادشاہ تھے چنانچہ وہ شاہی خاندان کا رکن ہونے کی بناء پر اپنے قبیلے میں نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ بعثتِ نبوی کے وقت وہ "بنو سعد" کے سردار تھے یہ وہی قبیلہ تھا جس سے حضورؐ کی دایہ بی بی حلیمہؓ کا تعلق تھا۔ حضرت زبرقانؓ محض ایک قبائلی سردار ہی نہیں تھے بلکہ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے اور بنو تمیم کے شعراء میں بہت بلند مقام

رکھتے تھے۔ بنو تمیم طویل عرصہ تک تاج و تخت کے مالک رہے تھے، اس لیے ان کے دماغوں میں خاندانی فخر و غرور کا نشہ سمایا ہوا تھا۔ اسی پندار اور نخوت نے انہیں پورے اکیس برس تک اسلام کی طرف راغب نہ ہونے دیا لیکن آخر وہ وقت آگیا جب دوسرے تمام قبائلِ عرب کی طرح بنو تمیم بھی آستانۂ نبویؐ کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو گئے۔

(۲)

فتح مکہ اور غزوۂ حنین (۸ھ ہجری) کے بعد عرب کے تمام غیر مسلم قبائل پر ہیبتِ حق طاری ہو گئی اور عرب کے گوشے گوشے سے مختلف قبائل کے وفود شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہونے کے لیے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہونے لگے۔ ۹ھ ہجری میں تو اس کثرت سے وفود آئے کہ اس سال کا نام ہی "عام الوفود" پڑ گیا۔ بنو تمیم نے بھی ستر یا اَسی آدمیوں پر مشتمل اپنا ایک وفد اُسی سال مدینہ منورہ بھیجا۔ اس وفد میں قبیلہ تمیم (کی مختلف شاخوں کے) بڑے بڑے رؤسا، شعلہ بیان خطیب اور بلند پایہ شاعر شامل تھے۔ حضرت زبرقانؓ بن بدر بھی اس وفد کے ایک رکن تھے۔ وفدِ بنو تمیم کے ورودِ مدینہ کے بارے میں مشہور روایت تو یہی ہے کہ وہ بھی دوسرے وفود کی طرح اظہارِ اطاعت کے لیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا (یہ الگ بات ہے کہ اس سلسلے میں اس وفد نے بعض نامعقول شرائط پیش کیں) لیکن ایک روایت یہ بھی ہے (جو امام بخاریؒ اور حافظ ابن قیمؒ نے نقل کی ہے) کہ محرم ۹ھ ہجری میں حضورؐ نے ایک مہم بنو تمیم کے ایک خانوادے بنو عنبر کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمائی کیونکہ ان لوگوں نے خود بھی خراج ادا کرنے سے انکار کیا تھا اور دوسرے قبیلوں کو بھی منع کیا تھا۔ بنو عنبر کے لوگ اسلامی لشکر کو دیکھ کر بھاگ گئے۔ مسلمان ان کے باسٹھ افراد کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ لے آئے۔ بنو تمیم نے ان قیدیوں کو چھڑانے کے لیے اقرع بن حابس کی قیادت میں اپنے سرکردہ آدمیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ بھیجا ___ صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو، اس بات پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے کہ یہ وفد بڑے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ مدینہ آیا ___

"تفسیر مواہب الرحمٰن" (مولوی سید امیر علیؒ) میں رئیس الوفد اقرع بن حابس کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "اُس وقت مجھ میں جہالت اور بدویت موجود تھی اور میں اپنی بے تمیزی سے کاشانۂ نبوی کے سامنے پہنچ کر چلایا، اے محمدؐ باہر نکل کر ہمارے پاس آؤ۔"

حضورؐ کو ان کا اکھڑپن ناگوار تو گزرا لیکن آپؐ سراپا عفو و کرم تھے۔ باہر تشریف لا کر ان سے نہایت خندہ پیشانی سے ملاقات فرمائی۔ اقرعؓ نے کہا "محمدؐ میں وہ ہوں کہ خدا کی قسم میری مدح انسان کی عزت کو بڑھا دیتی ہے اور میری ہجو انسان کو داغ لگا دیتی ہے۔" حضورؐ نے فرمایا "یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔" اقرع اب بھی خاموش نہ ہوئے اور کہا "ہم سب سے زیادہ معزز ہیں۔" حضورؐ نے فرمایا "تم سے زیادہ معزز یوسفؑ بن یعقوبؑ تھے۔" اقرع اب اپنے اصل رنگ پر آئے اور کہا "محمدؐ ہم آپ سے مفاخرت کرنا چاہتے ہیں اپنے شعراء اور خطباء کو اجازت دیں کہ وہ ہمارے شعراء اور خطباء کا مقابلہ کریں۔" —— بقول ابن اثیر صاحب "اُسد الغابہ" حضورؐ نے فرمایا: "میں فخاری اور شعر بازی کے لیے مبعوث نہیں ہوا لیکن اگر تم اسی کے لیے آئے ہو تو یونہی سہی تم اپنا کمال دکھاؤ، ہم جواب دیں گے۔"

اقرع نے اپنے وفد کے ایک رکن عطارد بن حاجب کو اشارہ کیا کہ وہ اٹھ کر تقریر کریں۔ عطارد ایک آتش بیان خطیب تھے انہوں نے کھڑے ہو کر نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ بنو تمیم کے جاہ و حشم، تموّل، عالی نسبی، اثر و اقتدار، شجاعت و بسالت فیاضی اور مہمان نوازی کا ذکر کیا۔ جب ان کی تقریر ختم ہوئی تو حضورؐ نے حضرت ثابتؓ بن قیس انصاری کو حکم دیا کہ وہ عطارد کی تقریر کا جواب دیں۔ حضرت ثابتؓ نے کھڑے ہو کر پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، آپؐ کی دعوت، نزولِ قرآن اور مہاجرین و انصار کے فضائل کو ایسے بلیغ اور مؤثر پیرایہ میں بیان کیا کہ ساری مجلس ساکت ہو گئی۔

اب بنو تمیم کی طرف سے زبرقان بن بدر شعر و شاعری کے مقابلے کے لیے کھڑے ہوئے اور اپنی قوم کی شان میں ایک پُرزور قصیدہ پڑھا جس میں خودستائی، تعلّی اور نخوت

کے سوا کچھ نہ تھا تاہم اس کے زورِ بیان اور فصاحت و بلاغت میں کوئی کلام نہ تھا۔
حافظ ابن حجرؒ نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ زبرقان کے اشعار سن کر خود جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا" (بعض تقریروں میں جادو ہوتا ہے) زبرقانؓ بیٹھے تو حضورؐ نے حضرت حسانؓ بن ثابت کو حکم دیا کہ وہ ان کا جواب دیں۔ انہوں نے اٹھ کر زبرقانؓ ہی کے بحر اور قافیہ میں فی البدیہہ ایسے فصیح اور بلیغ اشعار سنائے کہ بنو تمیم انگشت بدنداں ہو گئے اور رئیسِ وفد اقرعؓ بن حابس کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے:

"باپ کی قسم محمدؐ کا خطیب ہمارے خطیب سے برتر ہے اور محمدؐ کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ہے۔ ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ دلکش اور شیریں ہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ صرف خدائے واحد ہی عبادت کے لائق ہے اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔"[۱۳]

تمام اہلِ وفد نے یک زبان ہو کر ان کی رائے سے اتفاق کیا اور پھر سب نے کلمۂ شہادت پڑھ کر اپنے ہاتھ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں دے دیئے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت اقرعؓ کی سفارش پر حضورؐ نے بنو عنبر کے تمام قیدی بھی رہا کر دیئے۔
یہ وفد مدینہ منورہ سے چلنے لگا تو حضورؐ نے حضرت زبرقانؓ بن بدر کو اپنی طرف سے بنو سعد کا امیر مقرر فرمایا۔ گویا جو اعزاز انہیں دورِ جاہلیت میں حاصل تھا، ان کے قبولِ اسلام کے بعد بھی حضورؐ نے اس کو برقرار رکھا۔

(۳)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو یکایک سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ انصار، قریش اور بنو ثقیف کے سوا عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جو کسی نہ کسی حد تک اس فتنہ سے متاثر نہ ہوا ہو۔ بنو تمیم کی بہت سی شاخیں بھی اس کی لپیٹ میں آ گئیں اور زکوٰۃ دینے سے انکار